سلطان القرآن



یعنی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے قرآنی دلائل

مصنف

انصر رضا

سلطان القرآن

یعنی

صداقتِ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قرآنی دلائل

مؤلف

انصر رضا

کلامِ الٰہی

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ
كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ
عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ☆ ﴾ الرعد۔13:44

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہتے ہیں کہ تو مُرسل نہیں ہے۔ تُو کہہ دے کہ
میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے اور وہ بھی (گواہ ہے)
جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔

قولِ رسولؐ

اَلْقُراٰنُ حُجَّۃٌ لَکَ

اَوْ عَلَیْکَ

(مسلم کتاب الطہارۃ)

قرآن حجّت ہے، تمہارے حق میں

بھی اور تمہارے خلاف بھی

فرمانِ مسیح موعودؑ

"خدا تعالیٰ کے الہام اور وحی سے کہتا ہوں
وہ جو آنے والا تھا وہ میں ہوں۔ قدیم سے
خدا تعالیٰ نے منہاجِ نبوّت پر جو طریق ثبوت
کا رکھا ہوا ہے وہ مجھ سے جس کا جی
چاہے لے لے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ۔ 39)

فہرستِ مضامین

سوال نمبر 1 امکانِ نبوّت 26

سوال نمبر۔ 2 ضرورتِ نبوّت 42

نوٹ: اس کتاب میں قرآنی آیات کا حوالہ اس طریق پر دیا گیا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم کو ہر سورۃ کی پہلی آیت تسلیم کیا گیا ہے سوائے سورۃ توبہ کے۔

وجہ تالیف

غور وفکر اور تدبّر و اجتہاد کے دروازے اپنے ہاتھوں سے اپنے اوپر بند کر کے مسلمانوں نے اجتماعی خودکشی کی جو الم ناک کوشش کی ہے اس پر جتنے بھی آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ کتاب الٰہی کی قدیم تفسیروں کو سینے سے لگائے رکھنے اور انسانی کلام کو کلام اللہ پر فوقیت دینے کے سبب زوال و پستی کا ایک ایسا دور شروع ہوا جو ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ اس پر مستزاد علماء کی باہمی مناقشات نے عام مسلمان کے دل سے دینی ماخذوں کا اعتبار گنوا دیا۔ اب لوگ کنارے پر کھڑے ہو کر گہرے علوم کے اس سمندر کا نظارہ تو کر لیتے ہیں لیکن اس میں اترنے کو کوئی تیار نہیں ہوتا۔ غنیمت یہ ہے کہ دین اسلام پر ان کا اعتقاد تو باقی ہے اگرچہ یقین سے خالی ہے۔ حدیثوں کا اعتبار تو بہت حد تک اٹھ چکا، جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اسکا بھی صرف احترام باقی ہے، اس کے قابل عمل ہونے کا یقین کب کا جا چکا ہے۔

اسی احترام کے بھروسے خاکسار نے یہ کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کے سامنے اس کتاب مقدس میں سے، جس کے اب تک حرفاً حرفاً محفوظ ہونے کا عقیدہ ان میں آج تک قائم ہے، اس دروازے کی کنجی پیش کروں جس میں داخل ہو کر وہ دین و دنیا کی فلاح حاصل کر سکتے ہیں اور اس مقصد کو پانے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں جس کیلئے دینِ اسلام نازل کیا گیا ہے۔ کامیابی کے دروازے کو کھولنے والی یہ کنجی جو اس کتاب الٰہی میں پوشیدہ ہے وہ سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی شناخت اور آپؑ کی صداقت پر ایمان لانا اور اس الٰہی مشن میں آپؑ کی حمایت و نصرت کرنا ہے جس کے بغیر ہم نجات کی طرف ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے۔ ہماری کامیابی امام زمانہ علیہ السلام کی معرفت اور اطاعت سے مشروط کر دی گئی ہے۔ یہی وہ حصن حصین ہے جس میں داخل ہو کر ہم نہ صرف درندوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں بلکہ ان پر کامیاب حملے کر کے انہیں نیست و نابود بھی کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ میری یہ کوشش صرف اس دروازے کی طرف نشاندہی کرنے کیلئے ہے جو اس نظام اور اس سلسلہ میں داخل کر سکتا ہے جس کا نام جماعت احمدیہ ہے جسے خدا تعالیٰ نے اس دور میں قائم کیا ہے۔ اس سے زیادہ اس مقالے کی اور کوئی حیثیت نہیں۔ خاکسار قرآن مجید کا طالب علم ہے اور سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے، آپؑ اور آپؑ کے خلفاء کی تحریروں سے اپنے ظرف اور اوقات کے مطابق فیضیاب ہو کر اس کامل یقین کا حامل ہے کہ یہی وہ کتاب ہے جس کی بتائی ہوئی راہ پر چل کر ہم فلاح دارین حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کاوش کا نام میں نے "**سلطان القرآن**" رکھا ہے۔ یہ اُردو زبان میں میری تیسری تصنیفی کاوش ہے۔ پہلی کتاب سلطان نصیر کے نام سے منظر عام پر آئی تھی جو لاہور کے ایک معاند احمدیت ایڈووکیٹ کی کتاب 'نزول مسیح آخر کیوں' کے جواب میں

لکھی گئی تھی۔ دوسرا مقالہ سلطان القلم کے نام سے تھا جسے مقالہ نویسی کے سالانہ مقابلوں میں اول انعام ملا۔حسن اتفاق سے زیرنظر مقالہ کے نام میں بھی سلطان کا لفظ آ گیا اوراس کی وجہ یہ ہوئی کہ میرے نزدیک سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰ ۃ والسلام کی صداقت میں قرآنی دلائل وشہادت پر مبنی مقالہ کا نام شہادۃ القرآن سے بہتر اور کوئی نام نہیں ہوسکتا تھا لیکن یہ نام خود سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰ ۃ والسلام کی ایک کتاب کا ہے جوالٰہی تصرف سے لکھی گئی۔ چنانچہ میری کاوش تووہ نام نہیں پاسکتی تھی چــــہ نسبت خاک را به عالم پاک لہٰذا دلائل اور گواہی کے معانی رکھنے والے الفاظ پر میں نے غور کیا تو مجھے لفظ'' **سلطان** '' سوجھا جو اتفاق سے میری پہلی دوتحریروں کے نام میں بھی شامل تھا۔ چنانچہ میں نے اس کاوش کا نام '' **سلطان القرآن** '' یعنی صداقتِ مسیح موعودعلیہ الصلوٰہ والسلام کے قرآنی دلائل، رکھنا مناسب خیال کیا۔

میری تازہ ترین شائع شدہ تصنیف انگریزی زبان میں ہے جس کا نام ہے MANJI - ANOTHER PAWN ADVANCED یہ کتاب سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہٗ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے مطابق ارشاد مانجی کی کتاب The Trouble with Islam کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ جب حضورِانور کا یہ ارشاد موصول ہوا تو مکرم ومحترم مولانا نسیم مہدی صاحب نے اس ناچیز پر حسنِ ظن کرتے ہوئے اس کا جواب لکھنے کو کہا۔ الحمدللہ یہ کتاب جماعت میں پسند کی گئی اور سب سے بڑھ کر یہ میرے آقا ومولا سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہٗ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جلسہ سالانہ یوکے 2007 میں اپنے خطاب کے دوران خاکسار کا نام لے کراس کتاب کا ذکر فرمایا۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک

ایک وضاحت خصوصیت کے ساتھ کرنا چاہونگا کہ قرآنی علوم بیحد وسیع اور گہرے ہیں اس لئے اس کے معانی ومعارف کسی ایک شخص، ایک جماعت بلکہ ایک دور تک محدود نہیں کئے جاسکتے۔ ہر دور کے تشنگانِ علم، چاہے وہ کتنے ہی ترقی یافتہ اور جدید دور میں جی رہے ہوں، اس چشمہ سے سیراب ہوسکتے ہیں۔ میری یہ کاوش قرآنی علوم کی ایک ہلکی سی جھلک کہلائی جاسکے تو یہی میری نجات کا باعث ہوگا اور یہی میری کامیابی بھی۔ اس ہلکی سی جھلک کا تمام تر صلہ بھی مجھے نہیں بلکہ اس زمانہ کے امام سیدّ نا حضرت اقدس مسیح موعودعلیہ الصلوٰ ۃ والسلام کے مقدس مسیحی نفس کو جاتا ہے جس نے ہم جیسی بیجان چڑیوں کو طاقت پرواز دیدی اور پھر آپؑ کے مقدس صحابہؓ اورآپؑ کے مشن کے حامل اوراسے آگے بڑھانے والے قدرت ثانیہ کے مظاہر خلفائے احمدیت کے پر اثر کلمات وتحریرات میری کاوشوں کی بنیاد بنے۔

جمال ہم نشین در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

خاکسار بزرگانِ جماعت کا تہہ دل سے مشکور ہے جنہوں نے اس نالائق کو اپنی محبتوں اور شفقتوں کا مورد بنایا اور مسلسل حوصلہ افزائی کرتے ہوئے جُزوقتی خدمت دین کے بعد سلسلہ کا کل وقتی خادم بننے اور واقفِ زندگی بننے کا حوصلہ بخشا اور حضورِانور کی خدمت میں خاکسار کے وقف کی قبولیت کی سفارش فرمائی۔ اس سلسلہ میں خاکسار خاص طور پر مکرم ومحترم ملک لال خان صاحب امیر

جماعت احمدیہ کینیڈا، مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب نائب امیر اوّل ومشنری انچارج صاحب، مکرم ومحترم خلیفہ عبدالعزیز صاحب نائب امیر دوم، مکرم ومحترم مولانا مبارک احمد نذیر صاحب، پرنسپل جامعہ احمدیہ کینیڈا، مکرم ومحترم مولانا مرزا محمد افضل صاحب، مربّی اور وائس پرنسپل جامعہ احمدیہ کینیڈا اور مکرم ومحترم فرحان کھوکھر صاحب نیشنل سیکرٹری تبلیغ کینیڈا کا تہہ دل سے مشکور ہے جنھوں نے ہر قدم پر خاکسار کی حوصلہ افزائی فرمائی، وقف کے تقاضے اور خدمتِ دین کے اسرار ورموز سمجھائے اور خاکسار کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے درگزر اور عفو سے کام لیتے رہے۔ ان معزز شخصیات کے علاوہ کینیڈا، لنڈن مرکز اور ربوہ کی بہت سی قابلِ احترام ہستیاں ہیں جو خاکسار کے لئے رہنمائی، مدد وتعاون اور دعاؤں کا سرچشمہ بنی رہیں۔ ان میں مکرم ومحترم حافظ مظفر احمد صاحب، مکرم ومحترم مولانا سلطان محمود انور صاحب اور مکرم ومحترم مولانا منیر الدین شمس صاحب قابلِ ذکر ہیں۔ احمدیہ گزٹ کے ایڈیٹر مکرم ومحترم ہدایت اللہ ہادی صاحب نے زبان وبیان کی درستگی کے ساتھ ساتھ حوالہ جات پیش کرنے کے اصولوں کی طرف بھی رہنمائی فرمائی۔ ٹورنٹو میں میرے ایک بڑے پیارے دوست مکرم آصف منہاس صاحب نے بڑی محنت سے پروف ریڈنگ کرنے کے ساتھ عبید اللہ علیم صاحب کے ایک خوبصورت شعر سے نوازا جو موضوع کی مناسبت سے نگینے کی طرح جڑ گیا۔ میرے داماد مکرم مبشر احمد قریشی صاحب نے کتاب کا ٹائٹل بنا کر دیا۔ لاہور کے ایک بہت ہی پیارے دوست اور پرجوش مبلّغ جناب عارف سعید صاحب بھی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے خاکسار کو بہت سی inspiration سے نوازا۔ اس کتاب کے مسوّدے کو خاکسار ان سے برابر discuss کرتا رہا اور ان کے مشورے سے کئی نکات کا اضافہ بھی کیا اور کئی نکات کو بہتر بھی بنایا۔ مجموعی طور پر احبابِ جماعت نے خاکسار کے محض للّٰہی کام کو جس طرح سے سراہا اور اپنی محبت اور عزت واکرام سے نوازا اس پر ہمیشہ خاکسار کو اپنے غیر احمدی بھائیوں کے لئے سورہ یٰسین میں مذکور اس شخص کی بات یاد آجاتی ہے جس نے کہا تھا ﴿۔۔۔یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ☆ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّی وَ جَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ☆﴾ اے کاش میری قوم جانتی جو میرے ربّ نے مجھ سے مغفرت کا سلوک کیا اور مجھے معزز لوگوں میں شامل کر دیا۔ (سورۃ یٰسین ۔ 36: 27, 28)۔ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کو دین ودنیا کی حسنات سے نوازے، صحت وسلامتی، تقویٰ واخلاص اور مقبول خدمتِ دین والی لمبی زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

آخر میں خصوصیت کے ساتھ یہ ذکر کرنا چاہوں گا کہ اس کتاب کا مقصد علمی سے زیادہ تبلیغی ہے۔ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے اکثر وبیشتر جماعت کے لٹریچر میں پہلے سے موجود ہیں۔ یہاں انہیں اس غرض سے یکجا کر دیا گیا ہے کہ داعیان و مبلّغین کو قرآنی دلائل یکجا طور پر مل جائیں اور انہیں تبلیغ میں آسانی ہو۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے، اس میں برکت ڈالے اور اسے مسلمانوں کیلئے ایک نافع تحریر بنائے اور اس کے صدقے میں میرے گناہوں کو معاف فرما دے۔ آمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم۔

انصر رضا

مشنری و معاون نیشنل سیکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ، کینیڈا

تاریک پس منظر

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں زبردست تنبیہہ فرمائی ہے کہ وہ لوگ جو اپنے اختلافات کا فیصلہ کلام الٰہی کے مطابق نہیں کرتے وہ کافر ہیں، ظالم ہیں اور فاسق ہیں۔

---وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ o
---وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَo
---وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَo
(المائدۃ 48 ,5: 45,46)

اور جو اُس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو یہی لوگ ہیں جو کافر ہیں۔اور جو کوئی اُس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو یہی لوگ ہیں جو ظالم ہیں۔اور جو اُس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا ہے تو یہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں۔

تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ہر مسئلے کا حل اس میں سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔لیکن صد افسوس کہ مسلمانوں کی عملی زندگی اس دعویٰ کے بالکل برعکس نظر آتی ہے۔اقتصادی، سیاسی، تعلیمی حتّٰی کہ تہذیبی معاملات تک میں قرآنی اصولوں کو بھلا کر یا تو رسوم ورواج کی پیروی کی جاتی ہے یا پھر مغرب کی کورانہ تقلید کی جاتی ہے۔اہل اسلام کی اس عملی حالت کا نقشہ قرآن مجید میں

﴿ وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا﴾
(الفرقان - 25:31)

اور رسول کہے گا اے میرے رب! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر چھوڑا ہے

کے الفاظ میں اور حدیث مبارکہ میں

﴿ لَا یَبْقیٰ مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ ﴾ (مشکوۃ - کتاب العلم) یعنی قرآن کا صرف رسم الخط باقی رہ جائیگا

کی پیشگوئی کی صورت میں ملتا ہے۔آج مسلمانوں نے قرآنی پیشگوئی کے مطابق قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہے اور حدیث کی خبر کو پورا کرتے ہوئے قرآن کے ساتھ صرف ایک رسمی تعلق باقی رکھا ہے۔گو الفاظ قرآن تو موجود ہیں لیکن مسلمانوں میں اس کی روح مفقود ہو چکی ہے۔مکمل ضابطہ حیات یہ کتاب آج کے مسلمانوں کی عملی زندگی میں طوطے کی طرح پڑھے جانے کے سوا کچھ بھی مقام وحیثیت نہیں رکھتی۔کوئی مسلمان یہ غور وفکر اور تدبر وتفکّر کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا کہ ہر لحظہ بدلتی ہوئی دنیا میں باوجود چودہ سو سال سے زائد

قدیم ہونے کے یہ کتاب مسلمانوں کا ساتھ دے سکتی ہے کیونکہ یہ علیم وخبیر خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے لیکن اس جدید زمانے میں نت نئے پیدا ہونے والے مسائل سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں یہ یقین باقی نہیں رہا کہ حالات حاضرہ میں یہ الٰہی کتاب کوئی حل پیش بھی کرتی ہے یا نہیں اور اگر پیش کرتی بھی ہے تو کیا وہ حل آج کے جدید سائنسی اور تیکنیکی دور میں قابل عمل بھی ہیں یا نہیں۔

نام نہاد مذہبی علماء نے، جو خود قرآنی علوم سے اور اس کی روح سے نا آشنا ہیں، جدید تعلیم یافتہ طبقے سے اس کتاب پر غور و فکر کرنے کا حق چھین رکھا ہے۔ جو بھی قسمت کا مارا اس کتاب مقدس پر آزادانہ غور وفکر کی سعی کرتا ہے اور اپنا حاصل مطالعہ عوام الناس کے سامنے پیش کرتا ہے تو علماء ڈٹ کر اس کی مخالفت ومزاحمت کرتے ہیں اور اس نظریئے کی افادیت جانے بغیر اسے نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے کہ تمہاری یہ مجال کہ ہماری بالادستی مانے بغیر، جنہوں نے کئی برس مدرسوں میں صرف کر دیئے اور کئی لاکھ کے کتب خانوں کے مالک ہیں، قرآنی معارف پیش کرنے کی جسارت کرو۔ قرآن کا یہ عاشق یا تو کفر کے فتووں کے خوف سے دم سادھ لیتا ہے یا راندہء درگاہ بن کر زمرہ اہل ایمان سے خارج ہو بیٹھتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ بہت سے انفرادی اور اجتماعی مسائل، جن کا نہایت مناسب حل قرآن مجید میں موجود ہے لیکن علماء کی ذہنی وعلمی دسترس سے پرے ہے، آج تک لاینحل گتھیوں کی طرح امت مسلمہ کے دردمند طبقوں کے سامنے ایک مسلسل اذیّت بن کر کھڑے ہیں۔ ایک معمولی تبدیلی کے ساتھ مندرجہ ذیل شعر اس حقیقت حال کی مکمل عکاسی کرتا ہے۔

افسوس بےشمار سخن ہائے گفتنی   خوف فساد ''ملّا'' سے ناگفتہ رہ گئے

چند سوالات

ان نا گفتہ سوالوں میں مسلمانوں کی روحانی اور دنیاوی ترقی وفلاح اوراسلام کوایک غالب مذہب بتانے کے طریق کے سوال بھی شامل ہیں۔نوآبادیاتی دور شروع ہونے کے بعد ان سوالوں کی اہمیت اور ان کے حل کی ضرورت شدت سے ابھر کر سامنے آچکی ہے۔مسلمانوں کی اخلاقی،تمدنی،اقتصادی اورمعاشرتی تنزّل وانحطاط کا سبب کیاہےاوراس کا ذمہ دارکون ہے؟مسلمان سلطنتیں طاقت،ذرائع وسائل اورسب سے بڑھ کرایک اعلیٰ ترین الہامی مذہب رکھنے کے باوجود مغلوب کیوں ہیں؟اسلام کے دشمن یکے بعددیگرےاسلامی سلطنتوں کواپنے تسلط میں لانے میں کیوں اورکس طرح کامیاب ہوتے جارہے ہیں؟ اورسب سے بڑھ کر یہ کہ یہ تمام مصائب جوایک ٹوٹی ہوئی مالا کے دانوں کی طرح مسلمانوں پروارد ہوچکے ہیں ان کا اب حل کیا ہے؟ کیااسلام کے نام پرمسلمانوں کی حکومت، چاہے وہ کتنی ہی فاسق وفاجر کیوں نہ ہو،اس مسئلے کاحل ہے؟ کیامذہبی علماء پر مشتمل تھیوکریٹک حکومت فلاح ونجات کاباعث بن سکتی ہے؟ کیا حجروں میں مقیم صوفی اللہ ھو کی ضربیں لگا کرکفر کا منہ پھیر سکتے ہیں؟ کیاعالمِ اسلام کے سیاستدان ملک وملت کابیڑاپارلگاسکتے ہیں؟

افسوس کہ ان تمام سوالات کے جوابات یاتو مغربی نظام کی اندھادھند تقلید میں ڈھونڈ ھنے کی کوشش کی گئی ہے یا علماء کے محدود اور تنگ نظرفہم اسلام میں۔لیکن مسلمانوں کی گرداب میں پھنسی ہوئی کشتی ابھی تک وہیں چکرلگا رہی ہے۔قرآن مجید کومکمل ضابطہ حیات سمجھنے والا مسلمانوں کا عام طبقہ جوقرآنی علوم سے ویسے ہی نا آشنا ہےاوراس کی ہرتعبیر وتفہیم میں علماء کا محتاج ہے،ان تمام مذکورہ بالاسوالات کے جوابات تلاش کرنے کیلئے قرآن مجید کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔علماء نہ تو خوداس سے حقیقی طور پر مستفیض ہونے کے اہل ہیں اورنہ ہی دوسروں کواس کے نزدیک پھٹکنے دیتے ہیں۔

قرآن مجید جیسی اعلیٰ وارفع کتاب کے حامل مسلمانوں کے دلوں میں تو یہ سوال ابھرنے چاہئیں کہ وہ خدا جوپچھلی قوموں کی اصلاح، رہنمائی، ہدایت اورفلاح کیلئے انبیاء کوبھیجا کرتا تھا، کیا ہماری حالت زار سے اس قدر بے پرواہ ہو چکا ہے کہ کسی بھی قسم کی ہدایت عطا کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا؟ کیا اس نے قرآن میں جووعدے کئے ہیں کہ ہدایت دینا میرا ذمہ اورفرض ہےاور ہراندھیرے کوروشنی میں بدلنا میرا کام ہے، ان وعدوں کونعوذ باللہ بھلا بیٹھا ہے، کیا محض کتاب کا ہمارے اندرموجود ہونا اصلاح کیلئے کافی ہےاوراگر کافی ہےتو پھرپچھلی کئی صدیوں سے عالمِ اسلام مسلسل تنزّل وانحطاط کا شکار کیوں ہے۔آنحضرتؐ نے ہرصدی کے سر پر مجدد آنے کی جوخبر دی تھی وہ ہماری اس موجودہ صدی میں پوری کیوں نہیں ہورہی؟ لیکن یہ تمام سوال عام مسلمانوں کے ذہنوں میں اس لئے پیدانہیں ہوتے کہ ملّا نے ان کے ذہنوں پراس خوف کا پہرہ بٹھا رکھا ہے کہ اب کسی بھی آنیوالے مصلح کی بات تک کرنا بلکہ سوچنا بھی کفر ہے۔

زیرِنظر کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ اہل اسلام کو اس بیمثال قرآنی حل کی طرف متوجہ کیا جائے جو جماعت احمدیہ اسلامیہ عالمگیر ایک صدی سے زائد عرصہ سے لوگوں کے سامنے پیش کر رہی ہے۔ اس میں ان تمام سوالوں کے جوابات از خود آجاتے ہیں جو ملت اسلامیہ کی حالت زار پر درد مند مسلمانوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ختم نبوت کی اصل حقیقت سمجھنے کی کنجی اور غلبہ اسلام کا حل بھی برآمد ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کے اس طرح پستی کا شکار ہونے اور اخلاقی و روحانی اندھیروں میں گم ہو جانے پر خدا تعالیٰ کی صفت رؤف و رحیم جوش میں آتی ہے اور ایسی ضرورت زمانہ ظاہر ہونے پر وہ مندرجہ ذیل صفات کے حامل بندوں کو منتخب کر کے انسانوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کا فریضہ سونپتا ہے۔

خدا کے منتخب کردہ یہ مامور اپنی قوم میں ایک معزز حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی امیدوں کا مرکز ہوتے ہیں لیکن ماموریت کا دعویٰ کرتے ہی ان کی قوم ان سے مایوس ہو جاتی ہے۔ یہ مامورین بے داغ کردار کے مالک ہوتے ہیں اور ان تمام برائیوں سے پاک ہوتے ہیں جن میں ان کی اولین مخاطب قوم ملوث ہوتی ہے، وہ معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور رذیل طبقات میں سے نہیں ہوتے، اپنی ذاتی شان شوکت قائم کرنے کی بجائے سچے واحد و یگانہ خدا کی پرستش کی طرف بلاتے ہیں، کسی دنیاوی جاہ و حشمت کے طالب نہیں ہوتے، شروع میں اکیلے اور تنہا ہوتے ہیں، زمانے کے مروجہ رسوم و رواج اور عقائد کے خلاف تن تنہا آواز بلند کرتے ہیں اور اس بناء پر تمام طاقتوں کو اپنا دشمن بنا لیتے ہیں لیکن کمزور اور تنہا ہونے کے باوجود شکست نہیں کھاتے بلکہ روز بروز ان کی طاقت بڑھتی جاتی ہے اور ان کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے جن میں اکثریت غرباء کی ہوتی ہے۔ ان کے مخاطبین ان کے ساتھ ٹھٹھا اور تمسخر کرتے ہیں، ان کا اور ان کے ماننے والوں کا مقاطعہ کرتے ہیں، ان مامورین کو جھوٹا، فریبی، دنیاوی جاہ و حشمت کا لالچی، بیرونی طاقتوں کا ایجنٹ، جادوگر، پاگل اور ذہنی بیمار قرار دیتے ہیں اور ان کی تعلیم کو خلاف عقل قرار دے کر رد کر دیتے ہیں لیکن ان کے مخالفین بالآخر شکست کھاتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

ابوسفیان کا قیصر روم سے اس کے دربار میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں جو مکالمہ ہوا اس کے آخر میں قیصر نے بڑا پر مغز اور سیر حاصل تبصرہ کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے جب تم سے پوچھا کہ اس نبی کا نسب کیسا ہے تو تم نے کہا کہ وہ اعلیٰ نسب کا حامل ہے اور دستور یہی ہے کہ انبیاء اعلیٰ نسب کے ہی ہوتے ہیں۔ پھر میں نے یہ پوچھا کہ دعویٰ سے پہلے اس کی زندگی کیسی تھی تو تم نے کہا کہ وہ ایک معزز اور سچا انسان مانا جاتا تھا۔ یقیناً انبیاء ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دریافت کیا کہ بڑے بڑے لوگ اس کے پیروکار بن رہے ہیں یا کمزور لوگ تو تم نے بتایا کہ اس کے پیروکاروں میں اکثریت غریب لوگوں کی ہے۔ حقیقت میں ایسے ہی لوگ انبیاء کے پیروکار ہوتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ اس کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں تو تم نے کہا کہ بڑھ رہے ہیں۔ یقیناً سچے انبیاء کی جماعتیں بڑھا ہی کرتی ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ وہ کن باتوں کا حکم دیتا ہے تو تم نے کہا کہ وہ اللہ کی عبادت کرنے، بری باتوں سے رکنے اور اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے۔ سچے نبیوں کی یہی نشانی ہوتی ہے۔

افسوس ہے ہمارے مذہبی علماء اور جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں پر کہ انہیں وہ بات سمجھ نہیں آئی جو قیصر روم کو چودہ سو سال پہلے سمجھ آ گئی تھی۔اور وہ بھی اسی معیار کو سامنے رکھ کر اپنے زمانہ کے امام کو شناخت کر سکتے جو تاریکی اور گمراہی کے اس دور میں مبعوث ہوا جس کی نشاندہی تاریخ دانوں، دانشوروں، شاعروں، ادیبوں اور مذہبی رہنماؤں نے اپنی تحریروں میں جابجا کی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی سنّت کے مطابق اس دور میں اس مصلح کو ہدایت و اصلاح خلق کیلئے مبعوث فرمایا جن کا نام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ دیگر انبیاء و مصلحین کی طرح ان کو بھی مخالفت و مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور مذہبی رہنماؤں نے انہیں بھی دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا۔اپنی دنیاوی زندگی میں تو قرآن کریم کا عمل دخل مسلمان پہلے ہی ختم کر چکے ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ دینی معاملات میں بھی قرآن وسنّت کی بجائے علماء وفقہاء کی آراء پر، یہ پرکھے بغیر کہ یہ آراء قرآن وسنّت کے مطابق ہیں بھی یا نہیں، اندھا بھروسہ کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ قرآن کریم ہمیں اپنے اختلافات کا فیصلہ کلام الٰہی کی روشنی میں کرنے کا حکم سناتا ہے اور ایسا نہ کرنے والوں کو سخت وعیدیں سناتا ہے۔اس لحاظ سے ایک مسلمان کا لازمی فرض یہ ہونا چاہئے کہ وہ امام زمانہ کی صداقت کی پہچان کے لئے قرآن کریم سے رجوع کرے اور خصوصاً وہ لوگ جو کتاب الٰہی کا علم رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کتاب کی روشنی میں لوگوں کو بتائیں کہ اس شخص کا دعویٰ صحیح ہے یا غلط۔اس کے برعکس علماء کی طرف سے عوام کو سختی سے روکا جاتا ہے کہ احمدیوں کے ساتھ قرآن و حدیث کی بنیاد پر ہرگز گفتگو اور بحث مباحثہ نہیں کرنا۔حالانکہ قرآن کریم کی تصریحات کے مطابق ہم اس بات کے مکلّف ہیں کہ اپنے اختلافات کا فیصلہ قرآن کریم کی روشنی میں کریں اور وہاں سے جو بھی فیصلہ ہو اسے بسر وچشم قبول کریں۔مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی روشنی میں کسی نبی کی صداقت کے دو گواہ ہوتے ہیں۔ایک تو خود اللہ تعالیٰ اس نبی کی صداقت کا گواہ ہوتا ہے جو اس نبی کی صداقت میں مختلف نشانات ظاہر فرماتا ہے۔دوسرا وہ شخص اس نبی کی صداقت کا گواہ ہوتا ہے جس کے پاس کتاب کا علم ہو۔

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا ۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ○ (الرّعد: 44 :13)	اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہتے ہیں کہ تو مُرسَل نہیں ہے۔تو کہہ دے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ بطور گواہ کافی ہے اور وہ بھی (گواہ ہے) جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔

چنانچہ ہمیں بھی سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت جانچنے کے یہی دو طریق اختیار کرنے چاہئیں کہ ان کی زندگی کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی صداقت کی گواہی دیتے ہوئے خارق العادت نشانات ظاہر فرمائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم کلام الٰہی یعنی قرآن مجید کا علم حاصل کریں اور اس کی روشنی میں یہ فیصلہ کریں کہ ان کا دعویٰ سچّا ہے یا جھوٹا۔

خاکسار نے اسی طریق کو اپناتے ہوئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت میں ظاہر ہونے والے نشانات اور پھر قرآن کریم میں غور کیا تو دل پکار اٹھا کہ اس کلام الٰہی کی واضح تصریحات سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ مسیحیت ومہدویت کی مکمل تصدیق کرتی ہیں۔ **فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک** ۔اس قرآنی تحقیق کو خاکسار نے آسان فہم طریق پر احباب کے سامنے پیش کرنے کے لئے اسے سوال و جواب کی شکل دی ہے۔ پانچ بنیادی سوالات، جو درج ذیل ہیں، تشکیل دیئے گئے ہیں جو کسی بھی مدعی نبوّت کے دعوے کو سن کر عقلی طور پر ذہن میں ابھر سکتے ہیں۔ پھر ان سوالات کے جوابات قرآن کریم سے تلاش کئے گئے ہیں۔اس کتاب میں درج ذیل سوالات اوران کے جوابات پیش کئے گئے ہیں۔

۱۔کیا قرآن مجید کی رو سے وحی اور نبوت کا سلسلہ جاری ہے؟

۲۔اگر نبوت جاری ہے تو کیا اس دور میں اس کی ضرورت ہے یا نہیں؟

۳۔کیا قرآن مجید میں مسیح موعود کے آنے کی خبر موجود ہے؟

۴۔مدعی نبوت کی صداقت کا قرآنی معیار کیا ہے؟

۵۔کیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس معیار پر پورا اترتے ہیں؟

چند غلط فہمیاں

مندرجہ بالا سوالات کے قرآن کریم کی رو سے جوابات دینے سے پہلے ضروری ہے کہ چند اہم اور متعلقہ مسائل کے بارے میں غیر احمدی علماء کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے جو عوام الناس کو ختم نبوّت اور امّت محمدیہ میں امکان نبوّت کے عقیدہ کے حقیقی معنوں کو سمجھنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ ان مسائل میں ختم نبوت کے مختلف پہلو، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ ماموریت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی اور ان کا آنحضرتﷺ کا امّتی ہونا، قرآنی آیات میں تقدیم و تاخیر کا مسئلہ، اتمامِ نعمت کے حقیقی معنی، غیر احمدی علماء کا متضاد عقیدۂ ختم نبوّت، اور تشریعی و غیر تشریعی نبوت میں فرق جیسے موضوعات شامل ہیں۔

ختم نبوت

ختم نبوّت ان اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے جس کی تشریح میں اختلاف کی بناء پر غیر احمدی علماء جماعت احمدیہ کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی اکرمﷺ کے بعد نبوّت کا ہر طرح سے اختتام ہو چکا ہے اور اب کسی بھی قسم کا کوئی بھی نبی نہیں آسکتا۔ یہ علماء عوام کو یہ بھی باور کراتے ہیں کہ جماعت احمدیہ ختم نبوت کی سرے سے ہی منکر ہے جبکہ پچھلے چودہ سو برس سے ختم نبوت بمعنی نبوت کا ہر طرح سے اختتام امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے اور یہ کہ اس تشریح سے سرمو انحراف کرنے والا متفقہ طور پر کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ بانی جماعت احمدیہ سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات اور جماعت کا دیگر لٹریچر اس بات پر گواہ ہے کہ علماء کا یہ الزام بالکل بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔ جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ختم نبوت پر یعنی کہ آنحضرتﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط ایمان رکھتی ہے اور ختمِ نبوّت کی وہی تشریح کرتی ہے جو بزرگانِ امّت اور علماء سابقہ کرتے آئے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ نبوّت

جماعت احمدیہ قرآن و حدیث کی بنیاد پر، جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آگے تفصیل سے بیان کیا جائیگا، ختم نبوت کی یہ تشریح پیش کرتی ہے کہ نبی اکرمﷺ کے بعد شرعی نبوت ختم ہو چکی ہے لیکن آنحضرتﷺ کی اتباع سے اور آپؐ کی مہر لگ کر اس امت میں پیدا ہونے والا فرد غیر تشریعی نبوت پا سکتا ہے۔ جماعت احمدیہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ عقیدہ ہم نے اس دور میں ایجاد نہیں کیا بلکہ قرآن و حدیث کی بنیاد پر قدیم بزرگوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد شریعت والی نبوت ختم ہو چکی ہے جبکہ بغیر شریعت کے نبوت جاری ہے۔ اس دعویٰ کی تائید میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ

اور مولانا قاسمؒ نانوتوی صاحب سمیت بہت سے بزرگان دین کے حوالے جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں۔اس کتاب میں چونکہ صرف قرآن کریم کی بنیاد پر سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو پیش کیا جارہاہے اس لئے دیگر حوالہ جات کے لئے سلسلہ کا دیگر لٹریچر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ غیر تشریعی نبی ہونے کا تھا جس کو آپؑ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا اور جو آج بھی جماعت احمدیہ کے عقائد کی بنیاد ہے۔حضورؑ فرماتے ہیں:

''یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔اور جس کے معنی یہ ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعتِ اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلعم کی اقتدا اور متابعت سے باہر جاتا ہوں۔یہ الزام میرے پر صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر ایک کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے'' (خط اخبار عام 26 مئی 1908ء بحوالہ احمدیہ پاکٹ بک صفحہ 297)

میری مراد نبوّت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوّت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمت و مخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت ﷺ کی اتباع سے حاصل ہے۔سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بحکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔**ولکلّ ان یصطلح**'' (چشمہ معرفت۔روحانی خزائن جلد۔23، صفحہ 340)

ختم نبوّت کی تشریح کرتے ہوئے حضورؑ فرماتے ہیں:

''میں اس کے رسول پر دلی صدق سے ایمان لایا ہوں۔اور جانتا ہوں کہ تمام نبوّتیں اس پر ختم ہیں اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔مگر ایک قسم کی نبوّت ختم نہیں یعنی وہ نبوّت جو اس کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور جو اس کے چراغ میں سے نور لیتی ہے وہ ختم نہیں۔کیونکہ وہ محمدی نبوّت ہے یعنی اس کا ظل ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہے اور اسی کا مظہر ہے اور اسی سے فیضیاب ہے۔'' (تجلّیاتِ الٰہیہ، روحانی خزائن جلد۔20۔صفحہ 411, 412)

اپنے مقام نبوّت کے بارے میں حضورؑ فرماتے ہیں:

''اور میں اُسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیسا اس نے ابراہیمؑ سے مکالمہ ومخاطبہ کیا اور پھر اسحٰقؑ سے اور اسمٰعیلؑ سے اور یعقوبؑ سے اور یوسفؑ سے اور موسیٰؑ سے اور مسیحؑ ابن مریم سے اور سب کے بعد ہمارے نبی ﷺ سے ایسا ہمکلام ہوا کہ آپؐ پر سب سے زیادہ روشن اور پاک وحی نازل کی ایسا ہی اُس نے مجھے بھی اپنے مکالمہ مخاطبہ کا شرف بخشا۔ مگر یہ شرف مجھے محض آنحضرت صلعم کی پیروی سے حاصل ہوا ہے اگر میں آنحضرت صلعم کی امّت نہ ہوتا اور آپؐ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں کبھی یہ شرف مکالمہ مخاطبہ نہ پاتا کیونکہ اب بجز محمدی نبوّت کے سب نبوّتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت نبی ہوسکتا ہے مگر وہی جو پہلے امّتی ہو۔ پس اسی بناء پر میں امّتی بھی ہوں اور نبی بھی۔ اور میری نبوّت یعنی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ آنحضرت ﷺ کی نبوّت کا ایک ظِل ہے اور بجز اس کے میری نبوت کچھ بھی نہیں وہی نبوت محمدیہ ہے جو مجھ میں ظاہر ہوئی ہے۔ اور چونکہ میں محض ظلّ ہوں اور امّتی ہوں اس لئے آنجنابؐ کی اس سے کچھ کسرِ شان نہیں۔''

(تتمہ حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد۔22 صفحہ 305)

''عقیدہ کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور پر محمدیّت کی چادر پہنائی گئی۔ کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جُدا ہے۔ پس جو کامل طور پر مخدوم میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے وہ ختم نبوت میں خلل انداز نہیں۔'' (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد۔19، صفحہ 15،16)

جس استثنائی نبوت کا سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہاں ذکر فرما رہے ہیں اسی کا عقیدہ مولوی انور شاہ کاشمیری صاحب بھی رکھتے ہیں۔ مقدمہ بہاولپور میں گواہی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

بحوالہ آیات قرآنی واحادیث اجماع امت یہ دکھلا دیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ بجز اس کے کہ اس کی استثناء حضور نے خود کر دی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔''

(مقدمہ بہاولپور، جلد اول۔ صفحہ 86)

غیر احمدی علماء کا متضاد عقیدۂ ختم نبوّت

عام مشاہدہ یہ ہے کہ نبوت کے اختتام کے متعلق زیادہ تر زور احادیث پر دیا جاتا ہے اور قرآن کریم سے صرف سورہ احزاب کی ایک ہی آیت پیش کی جاتی ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ (الاحزاب 33:41)	محمد تمہارے (جیسے) مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کا رسول ہے اور سب نبیوں کا خاتم ہے اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب ''ختم نبوت'' میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کریم کی ایک سو آیات اس عقیدے کی مؤیّد ہیں یعنی ایک سو آیات سے ان کے عقیدہ ختم نبوت کا ثبوت ملتا ہے جبکہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مطابق قرآن کریم میں ختم نبوت کے متعلق صرف ایک یہی آیت ہے جو سورہ احزاب کی مندرجہ بالا آیت کریمہ ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے رسالہ ''ندائے خلافت'' شمارہ ستمبر 25-19، 2002ء میں فرماتے ہیں،

''دیکھئے قرآن مجید میں ختم نبوت کی جو ایک ہی آیت سورہ احزاب میں آئی ہے۔''

آیت خاتم النبیین کے بارے میں جماعت احمدیہ کا مسلک ہے کہ اس میں جسمانی ابوّت کی نفی کی گئی ہے اور "ولٰکن" کا لفظ درمیان میں لاکر روحانی ابوّت کا اثبات کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے ایک دیوبندی مولوی صاحب کا یہی عقیدہ، جس کے باوجود وہ نبوت کے اختتام کے قائل ہیں۔

> '' اس (آیت خاتم النبیین) سے استدلال کرنے سے قبل ایک مقدمہ سمجھ لیجئے کہ علم نحو کا قاعدہ ہے کہ '' لٰکن '' کے ماقبل اور مابعد میں تضاد ہوتا ہے۔ اور یہاں '' لٰکن '' کے ماقبل اور مابعد میں تضاد معلوم نہیں ہوتا، اس لئے کہ باپ نہ ہونے اور رسول ہونے میں کوئی تضاد نہیں۔ حالانکہ تضاد کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ کے اس قول سے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید آپ ہمارے کسی بھی قسم کے باپ نہ ہوں گے۔ اس لئے آگے لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ سے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ نسبی باپ تو نہیں مگر دوسری قسم کے باپ ہیں یعنی رسول اللہ ہیں اور روحانی باپ ہیں۔ اور اگر اس مقام کی اس طرح تقریر نہ کی جائے تو کلام میں ربط پیدا نہ ہوگا جو کلام اللہ میں محال ہے۔
>
> (شعار الاسلام فی وجوب الاضحیۃ من الانعام)'' (احسن السوانح۔ مفتی محمد حسن صاحب کے حالات، کمالات کا جامع مرقع۔ صفحہ 61، 60۔ ناشر جامعہ اشرفیہ، لاہور، جمادی الأخریٰ 1394ھ)

کیا نبی معزول ہوسکتا ہے؟

جب ان علماء سے اس تضاد کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے تو '***عذر گناہ بدتر از گناہ***' کے مصداق ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے ہی معزول قرار دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کے امّتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔ عوام تو خیر قرآن کریم کی تعلیمات سے ناواقف ہوتے ہی ہیں لیکن علماء جو قرآن دانی اور عربی دانی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ یا تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ قرآن کریم میں اس موضوع پر (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے متعلق) کیا لکھا ہے یا پھر جان بوجھ کر عوام الناس کو دھوکہ دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی توہین کرتے ہیں کہ جس منصب پر اللہ تعالیٰ نے انہیں فائز فرمایا اس سے ان کی نعوذ باللہ تنزّلی کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عالم الغیب ہونے کی صفت کی بھی توہین ہے کہ اس نے ایک ایسے شخص کو نبی بنایا جس سے ایک وقت میں آکر یہ عہدہ واپس لینا پڑا۔ بہرحال علماء کی اس توجیہہ کا ردّ سورہ مریم کی مندرجہ ذیل آیت کرتی ہے

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ☆ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۠ ۔۔ (مریم: 32 ,19:31)

اس نے کہا یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ نیز مجھے مبارک بنایا ہے جہاں کہیں میں ہوں۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں بھی ہونگے نبی ہونگے۔ ان کی نبوّت ان کی حیات جسمانی کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔ گویا ان کے دور نبوّت کے اختتام کا مطلب ان کی جسمانی موت ہے۔ اگر وہ اب تک زندہ ہیں تو اب تک نبی بھی ہیں اور اگر اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو ایک نبی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے نہ کہ ایک عام انسان کی حیثیت سے۔ ان کی جسمانی حیات کے دوران ان کو نبوّت سے معزول نہیں کیا جاسکتا۔ مسلم کتاب الفتن والشراط الساعۃ میں نواس بن سمعانؓ سے مروی ایک مشہور حدیث میں درج ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا۔ اس حدیث میں ان کو چار مرتبہ نبی اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔

قرآن وحدیث کی اس واضح تصریح کے علاوہ ان علماء کے پیشروؤں نے عقائد کی کتابوں میں بھی یہ بات تصریحًا لکھی ہے کہ نبی معزول نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ثانی کے وقت نبی ہونا خود مجلس تحفظ ختم نبوّت کے مولویوں کو بھی مسلّم ہے۔ یوسف لدھیانوی صاحب نے اپنی کتاب ''تحفہ قادیانیت'' جلد اول میں صفحہ۔361 پر علامہ سفارینی کی کتاب ''**لوامع انوار البهيه**'' کا حوالہ دیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی الگ شریعت لے کر نہیں اتریں گے اگرچہ ان کی نبوت

ان کے ساتھ قائم رہے گی اور وہ نبوت کے ساتھ متصف ہونگے۔اسی طرح امام جلال الدین السیوطی کے رسالہ **"الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام"** کا حوالہ بھی درج کیا گیا ہے جس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بوقت نزول نبوت کی نفی کرنا کفر ہے۔"تحفہ قادیانیت" جلد سوم میں یوسف لدھیانوی صاحب صفحہ۔179 پر علامہ سعدالدین مسعود التفتازانی کی کتاب شرح مقاصد کا حوالہ دیتے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت اگرچہ آنحضرت ﷺ کے پیروکار ہونگے لیکن نبوت سے معزول نہیں ہونگے۔اسی کتاب کے صفحہ۔182 پر ایک اور حوالہ اسی ضمن میں امام تقی الدین سبکیؒ کا دیا گیا ہے جو اپنی کتاب **"التعظیم والمنۃ فی تفسیر قولہ تعالیٰ لتومنن بہ و لتنصرنہ"** میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بدستور نبی ہونگے اور ان کی نبوت میں ذرا بھی کمی نہیں آئے گی۔یاد رہے کہ یہ کوئی ایسا قدیم عقیدہ نہیں جسے پرانے علماء نے لکھا ہو اور اب علماء نے اس سے رجوع کر لیا ہو بلکہ حال ہی میں ایک دیوبندی مفتی صاحب نے اپنی ایک کتاب میں اپنا یہی عقیدہ درج کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

> "انبیاء علیھم السلام منصب نبوت سے کبھی لائق معزولی نہیں ٹھہرتے۔انبیاء کرام اپنے منصب نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتے اس لئے کہ حق تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔کبھی ایسے شخص کو منصب نبوت پر فائز نہیں فرماتے کہ جو آئندہ چل کر لائق معزولی ہو۔"
>
> (اسلامی عقائد۔صفحہ،66 مصنف ڈاکٹر عبدالواحد،مفتی جامعہ مدنیہ،لاہور۔ناشر مجلس نشریاتِ اسلام،کراچی)

نیا نبی یا پرانا نبی؟

بعض دیگر علماء جو اس دلیل کو بخوبی سمجھتے ہیں اور کسی بھی نبی کی نبوت سے معزولی کا عقیدہ نہیں رکھتے وہ نبی اکرم ﷺ کے آخری نبی ہونے کا عقیدہ رکھنے کے ساتھ ساتھ آپؐ کے بعد ایک اور نبی کے آنے پر ایمان رکھنے سے پیدا ہونے والے تضاد کو یہ کہتے ہوئے دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی آمد کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہو سکتا لیکن پرانا نبی جس کو آپؐ سے پہلے نبوت ملی ہو وہ دوبارہ آ سکتا ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا اسی بنیاد پر شراب حرام ہونے سے پہلے بنائی جانے والی شراب حلال قرار دی جا سکتی ہے؟ بہرحال علماء کی اس توجیہہ کا قرآن وسنّت اور احادیث میں قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ اس کے مخالف احادیث پائی جاتی ہیں۔مثلاً آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَ اِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ" (مشکوٰۃ کتاب الفتن، باب فضائل سیّد المرسلین) میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم اپنی مٹی میں گندھا ہوا پڑا تھا۔

گویا نبی اکرم ﷺ کو نہ صرف یہ کہ سب سے پہلے نبوت عطا ہو چکی تھی بلکہ آپؐ کو خاتم النبیین بھی بنایا جا چکا تھا اور تمام انبیاء علیہم السلام کو آپؐ کے بعد ہی نبوّت ملی ہے۔

میرے اور اس کے درمیان کوئی ''نبی'' نہیں۔

''لیس بینی و بین عیسی نبی و انّہٗ نازلٌ۔۔۔'' عن ابی ہریرۃؓ) کنز العمال کتاب القیامۃ صفحہ۔146

میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں اور وہ یقیناً نازل ہوگا۔

''الانبیاء اِخوۃٌ لِعَلّٰت امھاتھم شتی و دینھم واحد و انی اولی الناس بعیسی ابن مریم لانہٗ لم یکن بینی و بینہٗ نبی۔۔۔'' (عن ابی ہریرۃؓ) کنز العمال کتاب القیامۃ صفحہ 147)

انبیاء علاّتی بھائی ہوتے ہیں۔ان کی مائیں الگ الگ ہوتی ہیں لیکن دین ایک ہی ہوتا ہے اور میں لوگوں میں سب سے زیادہ عیسیٰ ابن مریم کے نزدیک ہوں کیونکہ میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

آخری نبی کون ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام؟

مندرجہ بالا تصریحات سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دوبارہ آمد کے وقت نبی ہونگے اور یہ کہ اُن کو نبوت آنحضرت ﷺ کے بعد ہی ملی ہے۔چنانچہ وہ اگر نبی اکرم ﷺ کے بعد تشریف لائیں گے تو آخری نبی وہی ٹھہریں گے۔

''لیدر کَنَّ الدجالُ قومًا مثلکم او خیرًا منکم، ولن یخزی اللّٰہُ امَّۃً انا اولھا و عیسی ابن مریم آخرھا۔'' (عن جبیر بن نفیر) کنز العمال کتاب القیامۃ صفحہ۔146)

دجّال کا سامنا تمہارے جیسی یا تم سے بہتر قوم سے ہوگا اور اللہ اس امّت کو کبھی ضائع نہیں کرے گا جس کے شروع میں میں اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم ہونگے۔

مندرجہ بالا حدیث واضح طور پر بیان کررہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی امت کا ایک فرد قرار دیتے ہوئے اس امت کا آخری نبی قرار دے رہے ہیں جبکہ غیر احمدی علماء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کا عقیدہ رکھتے ہوئے بھی اس بات پر مصر ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی بھی اور کسی بھی طرح کا نبی نہیں آسکتا۔اس صورتحال پر فارسی میں کہتے ہیں

بریں عقل و دانش بباید گریست! یعنی ایسی عقل و دانش پر تو رونا ہی چاہئیے۔

ابن صیّاد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ

ابنِ صیّاد مدینہ کا رہنے والا ایک یہودی تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اُس پر الہام نازل ہوتے ہیں یا یہ کہ اسے نبوت کا دعویٰ تھا۔ نبی اکرم ﷺ چند صحابہؓ کے ہمراہ، جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے، اُسے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں نبی اکرم ﷺ کا اُس کے ساتھ جو مکالمہ ہوا اُس کے مطابق:

> رسول اللہ ﷺ نے ابن صیّاد سے پوچھا کیا تو گواہی دیتا ہے اس بات کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ابن صیّاد نے آپؐ کی طرف دیکھا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ رسول ہیں امّی لوگوں کے۔ پھر اس نے کہا کیا آپؐ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ایک روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے اس کی بات کا کچھ جواب نہ دیا جبکہ دوسری روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الفتن و اشراط الساعۃ صفحہ۔450)

اس مکالمہ سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے بعد نبوت کو جاری سمجھتے تھے۔ ورنہ آپؐ ابن صیّاد کو فرماتے کہ تم جھوٹے ہو کیونکہ میں اللہ کا آخری نبی ہوں اور میرے بعد کسی بھی قسم کا کوئی بھی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس کی بجائے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تو اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان رکھتا ہوں۔ یعنی اگر تم واقعی اللہ کے نبی ہوتے تو میں تم پر بھی ایمان لے آتا۔

کیا حضرت عیسیٰ ؑ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امّتی ہو سکتے ہیں؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے عقیدہ کی تحقیق کرتے ہوئے جہاں دیگر سوالات پیدا ہوتے ہیں وہاں ایک پیچیدہ سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ غیر احمدی علماء کے نزدیک نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں جن کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آ سکتا تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو خود ایک نبی ہیں آنحضرت ﷺ کے بعد کیسے آ سکتے ہیں۔ یہ سوال پچھلے زمانوں میں بھی اٹھایا گیا جس کا ذکر علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب ''الحاوی للفتاوی ص 166 ج2'' اور امام حافظ زین الدین محمد بن ابوبکر رازی حنفی نے اپنی کتاب ''**مسائل الرازی و اجوبتها ص 282**'' میں کیا۔ اس بظاہر مشکل سوال کو یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوقت نزول نبی نہیں بلکہ ایک امتی کی حیثیت میں ہونگے اور امت محمدیہ کے ایک عام فرد کی طرح شریعت محمدیہ پر عمل کریں گے۔

جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نبی اکرم ﷺ کا امّتی بننے کا تعلق ہے تو یہ توجیہہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ امّتی ہمیشہ امت کے معرض وجود میں آنے کے بعد اس کا فرد بن سکتا ہے اس سے پہلے نہیں۔ جسطرح پنجابی میں ایک پہیلی اور طنزیہ جملہ کے

طور پر بھی کہتے ہیں کہ ''ماں جمّی نئیں تے پُت کوٹھے تے''۔ یعنی ماں کے پیدا ہونے سے بھی پہلے بیٹا چھت پر جا پہنچا۔ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ ماں پیدا نہ ہوئی ہو اور بیٹا پہلے دنیا میں آ جائے، اسی طرح امت کے معرض وجود میں آنے سے پہلے کسی کا امتی کہلانا محال ہے چاہے وہ شخص پہلے سے دنیا میں موجود ہو۔ قرآن کریم کے مطابق امت کتاب کے نزول سے معرض وجود میں آتی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے ایک جھگڑے کا فیصلہ فرمایا۔

حضرت ابراہیمؑ -- یہودی یا عیسائی؟

يَآهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ o (آلِ عمران۔ 3:66)	اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل نہیں اتاری گئیں مگر اس کے بعد۔ پس کیا تم عقل نہیں کرتے؟

یہود و نصاریٰ کا جھگڑا یہ تھا کہ یہود کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی تھے جبکہ عیسائی کہتے ہیں کہ وہ عیسائی تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہودی امت تورات کے نازل ہونے سے معرض وجود میں آئی اور مسیحی امت انجیل کے نازل ہونے سے بنی۔ جبکہ حضرت ابراہیمؑ ان دونوں کتابوں کے نزول سے پہلے پیدا ہو کر فوت بھی ہو چکے تھے۔ اس لئے عقلی طور پر وہ ان دونوں امتوں کے فرد نہیں کہلائے جا سکتے۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کے امّتی

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بیان کردہ اصول کے مطابق حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ کے امّتی تو نہیں کہلائے جا سکتے لیکن ایک اور آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سے پہلے نبی یعنی حضرت نوحؑ کے گروہ میں شامل قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَo (الصّٰفٰت:37:84)	اور یقیناً اسی کے گروہ میں سے ابراہیم بھی تھا

حضرت موسیٰؑ کی خواہش

اس قرآنی اصول کی تصدیق ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب " **الخصائص الکبریٰ** " جلد 1 صفحہ 21 پر درج کیا ہے۔ مشہور دیوبندی عالم مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی اپنی کتاب " **نشر الطیب**

فی ذکر النبی الحبیبؐ ''صفحہ 219 میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''ابونعیم نے'' حلیہ'' میں حضرت انسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ جو شخص مجھ سے اس حال میں ملے کہ وہ احمد مجتبیٰ کا منکر ہے تو میں اسے جہنم میں داخل کرونگا۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے رب! احمد کون ہیں؟ فرمایا:'' میں نے کسی مخلوق کو ان سے بڑھ کر مکرم نہیں بنایا۔اور میں نے ان کا نام تخلیق زمین و آسمان سے پہلے عرش پر لکھا۔ بلاشبہ میری تمام مخلوق پر جنت حرام ہے جب تک وہ ان کی امت میں داخل نہ ہو'' موسیٰؑ نے کہا ان کی امت کیسی ہے؟ فرمایا وہ بہت زیادہ حمد کرنے والی امت ہے جو چڑھتے اور اترتے ہر حال میں خدا کی حمد کرنے والی ہے۔وہ اپنی کمریں باندھیں گے اور اعضاء کو پاک کریں گے۔وہ دن میں روزہ دار اور شب میں ذکر واذکار کرنے والے اور عبادت گزار ہونگے۔ان کے قلیل عمل کو قبول کروں گا اور لا الہٰ لا اللہ کی شہادت پر ان کو جنت میں داخل کروں گا۔عرض کیا اس امت کا نبی مجھے بنادے! فرمایا اس امت کا نبی انہیں میں سے ہوگا۔حضرت موسیٰؑ نے پھر عرض کیا مجھے اس امت کا ایک فرد ہی بنادے! فرمایا تمہارا زمانہ پہلے ہے اور ان کا زمانہ آخر میں،لیکن بہت جلد میں تم کو اور ان کو دارالجلال میں جمع کردونگا۔''

اس حدیث مبارکہ میں بیان کئے گئے اصول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام امّت محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کے نبی یا فرد اس لئے نہیں بن سکتے کیونکہ یہ امت قرآن کریم کے نزول سے معرض وجود میں آئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول قرآن سے پہلے ظاہر ہو چکے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ان کا زمانہ بھی امت محمدیہ سے پہلے کا ہے۔چنانچہ جو رکاوٹ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس امت کا نبی یا فرد بننے میں ہے بعینہٖ وہی رکاوٹ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ احادیث میں جس ابن مریم کے آنے کا ذکر ہے وہ اسی امت میں پیدا ہونے والا ایک فرد ہے نہ کہ باہر سے آنے والا کوئی اور شخص۔

تقدیم و تاخیر

جس طرح غیر احمدی علماء " مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ " والی آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے قرآنی ترتیب کو تقدیم و تاخیر کے خود ساختہ اصول کے تحت الٹ کر دیتے ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع پہلے کرواتے ہیں اور وفات بعد میں اسی طرح وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوّت پہلے مل گئی ہے لیکن وہ نبی اکرم ﷺ کی اطاعت نزول کے بعد کریں گے۔جبکہ قرآن کریم سورۃ النساء کی مندرجہ ذیل آیت میں نبی اکرم ﷺ کے بعد مقام نبوّت کو اطاعت رسول سے مشروط کرتا ہے۔

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِيْقًاO (النساء۔70 :4)

اور جو بھی اللہ کی اور اس رسول کی اطاعت کرے تو یہی لوگ ہیں جو ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یعنی) نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔ اور یہ بہت ہی اچھے ساتھی ہیں۔

تقدیم و تاخیر کے اصول کے متعلق ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو مندرجہ ذیل آیت میں عبادت کا حکم دیتے ہوئے رکوع سے پہلے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ رکوع پہلے کیا جاتا ہے اور سجدہ بعد میں:

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِىْ وَارْکَعِىْ مَعَ الرّٰکِعِيْنَO (آل عمران44 :3)

اے مریم! اپنے ربّ کی فرمانبردار ہو جا اور سجدہ کر اور جھکنے والوں کے ہمراہ جھک جا۔

اس آیت کریمہ سے تقدیم و تاخیر کا اصول وضع کرنے والوں نے یہ فرض کر لیا کہ حضرت مریم کی عبادت گویا اسلامی نماز کی طرح اسی ترتیب پر تھی جس میں قیام کے بعد رکوع اور پھر سجدہ ہوا کرتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ان کی نماز میں سجدہ پہلے ہو اور رکوع بعد میں۔ لہٰذا اس آیت سے تقدیم و تاخیر کا اصول وضع کرنا درست نہیں۔ سورہ النحل کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی تقدیم و تاخیر کا استدلال کیا جاتا ہے۔

وَ اللّٰهُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّ جَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَO (النحل۔16:79)

اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا جب کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے پیٹوں سے نکالنے کا پہلے ذکر کیا ہے اور کان آنکھیں اور دل بنانے کا ذکر بعد میں کیا ہے حالانکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان آنکھیں اور دل اس کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ یعنی یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس ترتیب سے بات بیان فرمائی ہے دراصل اس کے الٹ ہوتا ہے۔ اگر اس آیت کریمہ کے الفاظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں اگر جسمانی اعضاء کا ذکر ہوتا تو ''السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ '' یعنی سماعت، بصارت اور شعور کی بجائے 'اُذُنٌ' 'عَيْنٌ' اور 'قَلَبٌ ' یعنی کان، آنکھ اور دِل کہا جاتا۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ ان اعضاء کا نہیں بلکہ ان کے ذریعے حاصل ہونے والی طاقت کا ذکر فرما رہا ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان کئے گئے الفاظ ''لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا '' سے ظاہر ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے یہ اعضاء اس کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی مرضی سے ان سے کام نہیں لے سکتا اور وہ حواس جو ان اعضاء کے تابع ہوتے ہیں ابھی

اسے حاصل نہیں ہوئے ہوتے۔اس بناء پر اسے اپنے اردگرد ماحول کا کچھ علم نہیں ہوتا کہ وہ کس جگہ پیدا ہو گیا ہے اور کون لوگ اس کے اردگرد پھر رہے ہیں۔یہ شعور آہستہ آہستہ پیدا ہوتا ہے۔اس حقیقت کو قرآن کریم میں واضح فرمایا گیا ہے کہ یہ اعضاء تو جانوروں میں بھی ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی مرضی کے مطابق ان سے کام نہیں لے سکتے چنانچہ قرآن کریم ایسے لوگوں کو جو کان آنکھ اور دل کے ہوتے ہوئے بھی الٰہی پیغام کو نہیں سنتے ،اس کی طرف نہیں دیکھتے اور نہ ہی اس پر غور وفکر کرتے ہیں جانوروں کی طرح قرار دیتا ہے بلکہ ان سے بھی بدتر کیونکہ جانور تو ان حواس کے نہ ہونے کے باعث معذور ہیں لیکن انسان جو ان اعضاء اور ان کے تابع حواس کا بھی مالک ہے ان سے کام نہ لے کر بڑا مجرم ٹھہرتا ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۡ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ (الاعراف۔7:180)

اور یقیناً ہم نے جہنم کے لئے جن و انس میں سے ایک بڑی تعداد کو پیدا کیا۔ان کے دل ایسے ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں کہ جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ایسے ہیں کہ جن سے وہ سنتے نہیں۔یہ لوگ تو چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ یہ (ان سے بھی) زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی ہیں جو غافل لوگ ہیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ سے مراد جسمانی اعضاء نہیں بلکہ ان کے تابع وہ حواس ہیں جو پیدائش کے بعد رفتہ رفتہ انسان میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر انسان ان سے اپنی مرضی کے مطابق یا تو کام لیتا ہے یا پھر ان سے بالکل کام نہ لیتے ہوئے خود کو جہنم کا مورد بنالیتا ہے۔ان معنوں کے لحاظ سے اس آیت میں بھی تقدیم وتاخیر کا اصول قطعی طور پر لاگو نہیں ہوتا۔

اتمام نعمت کا کیا مطلب ہے؟

ختم نبوّت کے بارے میں غیر احمدی علماء کی طرف سے عوام میں ایک اور غلط فہمی یہ پیدا کی جاتی ہے کہ سورۃ المائدہ کی مندرجہ ذیل آیت کے مطابق دین اسلام اور شریعت کی تکمیل ہو چکی ہے اور نعمت یعنی نبوّت تمام ہو چکی ہے لہٰذا اب کسی نبی کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔۔ (المائدۃ۔5:4)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر میں نے اپنی نعمت تمام کردی ہے اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین کے طور پر پسند کرلیا ہے۔۔

حالانکہ اسی قرآن کریم میں یہ واضح طور پر لکھا ہے کہ ہر نبی شریعت لے کر نہیں آتا۔ کچھ انبیاء کو شریعت دی جاتی ہے اور کچھ انہی شریعتوں کے مطابق فیصلے کرتے اور لوگوں کو انہی شریعتوں کی طرف دعوت دیتے رہے جو اُن سے پہلے انبیاء لائے تھے۔

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ --- (البقرة 2:254)

یہ وہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض (دوسروں) پر فضیلت دی۔ بعض ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ نے (روبرو) کلام کیا اور ان میں سے بعض کو (بعض دوسروں سے) درجات میں بلند کیا۔

اتمام نعمت کے جو معنی غیر احمدی علماء کی طرف سے کئے جاتے ہیں وہ ان کی بد دیانتی اور دھوکہ دہی کی بدترین مثال ہیں۔ اتمام نعمت کا یہ مطلب لینا کہ نبوت اب ختم ہوگئی ہے، قرآن مجید کی رو سے بالکل جائز نہیں۔ سورہ یوسف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی رویاء سنائی تو انہوں نے کہا:

وَ کَذٰلِکَ یَجْتَبِیْکَ رَبُّکَ وَ یُعَلِّمُکَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ وَ عَلٰۤی اٰلِ یَعْقُوْبَ کَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤی اَبَوَیْکَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝

(یوسف 12:7)

اور اسی طرح تیرا رب تجھے (اپنے لئے) چُن لے گا اور تجھے معاملات کی تہہ تک پہنچنے کا علم سکھا دیگا اور اپنی نعمت تجھ پر تمام کریگا اور آل یعقوب پر بھی جیسا کہ اس نے اسے تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق پر پہلے تمام کیا تھا۔ یقیناً تیرا رب دائمی علم رکھنے والا (اور) حکمت والا ہے۔

اگر نعمت تمام کرنے کا مطلب نبوت کا ختم کرنا ہے تو مندرجہ بالا آیت کریمہ کے مطابق یہ اتمام نعمت تو پہلے ابراہیمؑ پر پھر حضرت اسحٰقؑ پر اور پھر حضرت یوسفؑ پر ہوا۔ ایسی صورت میں اتمام نعمت بمعنی اختتام نبوت ایک غیر حکیمانہ عمل بن جاتا ہے۔ یعنی نبوت بار بار ختم کر کے پھر جاری کی جاتی ہے۔ یہ بازیچہ اطفال مُلّا کو ہی مبارک ہو، علیم و حکیم خدا ایسی باتوں سے پاک ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ سورہ المائدہ کی مندرجہ بالا آیت نبوت کو ہر طرح سے ختم سمجھنے کا عقیدہ رکھنے والوں کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتی۔

کیا ہر نبی نئی شریعت لے کر آتا ہے؟

ظاہر ہے کہ ہر نبی اور رسول سے اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے جس کے بغیر کوئی بھی شخص نبی اور رسول نہیں بن سکتا۔ لہٰذا مندرجہ بالا آیت میں کچھ انبیاء سے کلام کرنے کا مطلب ہے کہ انہیں شریعت دی گئی اور بعض کے صرف درجات بلند کرنے کا مطلب ہے کہ انہیں کوئی نئی شریعت نہیں دی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات کی بلندی اسطرح فرمائی کہ انہیں نبوت کا اعلیٰ مقام عطا فرما کر پرانی شریعت کو دوبارہ زندہ کرنے کی ذمہ داری بخشی۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل کے بیشمار انبیاء تورات کے مطابق فیصلے کرتے رہے اور اس کی بھولی بسری تعلیم کو بنی اسرائیل کو یاد کراتے رہے۔

اِنَّـا اَنْـزَلْـنَا التَّوْرٰةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ (المائدہ۔5:45)

یقیناً ہم نے تورات اتاری اس میں ہدایت بھی تھی اور نور بھی۔ اس سے انبیاء جنہوں نے اپنے آپ کو (کلیۃً اللہ کے) فرمانبردار بنا دیا تھا یہود کیلئے فیصلہ کرتے تھے۔

مزید برآں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو، جنہیں صاحب شریعت انبیاء میں شامل نہیں سمجھا جاتا، قرآن کریم میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ

يٰيَحْيٰى خُذِالْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ --- (مریم 19:13) اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لے۔

یہاں جس کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ لازمی طور پر تورات ہے جس پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور آپؑ کے والد حضرت زکریا علیہ السلام عمل پیرا تھے۔ ثابت ہوا کہ ہر نبی کیلئے صاحب شریعت وصاحب کتاب ہونا لازمی امر نہیں۔ اسی طرح ایک کامل شریعت نبوّت کی راہ میں روک نہیں ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی اسے اللہ تعالیٰ نے ﴿تَمَـامـاً عَلَى الَّـذِىَ أَحْسَـنَ وَتَـفْـصِيْلاً لِّكُلِّ شَىْءٍ﴾ (الانعام۔6:155) یعنی بنی اسرائیل کے لئے ایک مکمل اور تفصیلی کتاب قرار دیا۔ اس کے باوجود بنی اسرائیل میں پے در پے انبیاء علیہم السلام آتے رہے۔ لہذا جہاں تک دین مکمل ہونے کا تعلق ہے تو یہ غیر تشریعی نبوت ملنے میں کوئی روک نہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، اسی غیر تشریعی نبوّت کا دعویٰ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔ آپؑ کا اور آپؑ کی پیروی میں جماعتِ احمدیہ کا یہ محکم عقیدہ ہے کہ اسلام آخری مذہب ہے، قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی آخری کتاب اور شریعت ہے اور قیامت تک انسانوں کی ہدایت ونجات نبی اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے۔ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام صرف اور صرف اس مکمل واتم دین کی اشاعت وتبلیغ ہے۔

کیا صرف کتاب ہدایت دے سکتی ہے؟

ہمارے زمانے میں بعض لوگ یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ ہمیں قرآن کریم جیسی اکمل کتاب کی موجودگی میں کسی پیغمبر اور ہادی کی ضرورت نہیں اور اب ہم اپنی تمام ضروریات اسی کتاب سے پوری کر سکتے ہیں۔اس دعویٰ کے برعکس قرآن کریم کتاب اور استاد کو ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ٹھہراتا ہے۔سورہ ابراہیم کی مندرجہ ذیل آیت میں کہا گیا ہے کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانا رسول کا کام ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کی مدد سے کرتا ہے

الٓرٰ (قف) کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ لا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِO (ابراہیم۔2 :14)

انا اللہ ارٰی۔ میں اللہ ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔ یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تیری طرف اتاری ہے تاکہ تو لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالتے ہوئے اس راستہ پر ڈال دے جو کامل غلبہ والے (اور) صاحب حمد کا راستہ ہے۔

یہ دعویٰ کرنا کہ ہم خود کتاب پڑھ کر اُس سے براہِ راست ہدایت پا سکتے ہیں منکرین کا شیوہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہماری عبرت اور نصیحت کیلئے نقل کیا ہے۔گویا ان کے نزدیک نبی کی حیثیت ایک ڈاکیہ سے زیادہ نہیں جس کا کام صرف کتاب پہنچانا ہے۔سورہ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیت میں کفّار مکّہ کے نبی اکرم ﷺ سے جو مطالبات اللہ تعالیٰ نے بیان کئے ہیں ان میں ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ آپؐ آسمان پر جا کر ہمارے لئے ایک کتاب لے آئیں جسے ہم پڑھیں۔

اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ ط وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ط قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًاO (بنی اسرائیل۔ 94 :17)

یا تیرے لئے سونے کا کوئی گھر ہو یا تو آسمان میں چڑھ جائے۔ مگر ہم تیرے چڑھنے پر بھی ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تو ہم پر ایسی کتاب اتارے جسے ہم پڑھ سکیں۔تو کہہ دے کہ میرا رب (ان باتوں سے) پاک ہے (اور) میں تو ایک بشر رسول کے سوا کچھ نہیں۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ''نَقْرَؤُہ'' بڑا غور طلب ہے۔اس لفظ کا مطلب ہے ''ہم پڑھیں''۔یعنی آپؐ کتاب لا کر ہمارے حوالے کر دیں اسے پڑھنے اور سمجھنے کا کام ہم خود ہی کر لیں گے۔کفّار مکّہ کے اس مطالبہ اور استاد کی ضرورت کے انکار کے خیال کے برعکس اللہ تعالیٰ نے سورہ جمعہ کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں وضاحت سے بیان فرمایا کہ نبی صرف کتاب کی صورت میں

پیغام لانے والا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی تلاوت کرنے والا اور اس کی تعلیم اور حکمت سکھانے والا اور اس کے ذریعے لوگوں کے نفوس کی پاکیزگی کرنے والا بھی ہوتا ہے۔اس بناء پر کتاب کے ساتھ ساتھ ایک معلّم ربّانی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O (الجمعة۔62:3)	وہی ہے جس نے امّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔

دنیاوی زندگی میں بھی یہ عام مشاہدہ کی بات ہے کہ میڈیکل،انجینئرنگ،قانون اور کمپیوٹر سائنس سمیت کسی بھی شعبہ کی محض کتابیں پڑھ لینے سے کوئی بھی انسان اس شعبہ اور پیشہ کا ماہر نہیں بن سکتا بلکہ اس کیلئے اسے باقاعدہ استاد سے علم سیکھنا پڑتا ہے جو نہ صرف ان کتابوں کے مشکل مقامات حل کرتا ہے بلکہ اپنے تجربہ سے اپنے شاگردوں کو مستفیض کرتے ہوئے انہیں وہ باتیں بھی سکھاتا ہے جو کتابوں میں نہیں لکھی ہوتیں اور محض تجربہ اور عمیق مشاہدہ سے ہی حاصل کی جاسکتی ہیں۔اگر دنیاوی علوم کا یہ حال ہے تو آسمانی اور روحانی علوم استاد کے بغیر کیسے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ایک صوفی شاعر میاں محمد بخش صاحب نے کیا خوب کہا ہے

”بنا مرشداں راہ نہ ہتھ آوندی

بنا دودھ نہ رجھدی کھیر میاں“

ترجمہ: مُرشد کے بغیر راستہ نہیں ملتا، دودھ کے بغیر کھیر نہیں بنائی جاسکتی

علماء کی جانب سے پھیلائی جانے والی ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے بعد اب ہم پہلے سوال کا جواب یعنی قرآن کریم سے امکانِ اجرائے نبوّت کا ثبوت دیتے ہیں۔

سوال نمبر 1

اسکانِ نبوّت

سوال نمبرایک یہ تھا کہ کیا قرآن پاک کی رو سے نبوت جاری ہے یا مطلقاً ختم ہو چکی ہے۔ اس سوال کے جواب میں قرآن مجید ہماری یہ رہنمائی فرماتا ہے کہ ہر دور میں نبوت کا امکان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہے انسانوں کی ہدایت کیلئے ہادی و رہنما بھیج سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل آیاتِ کریمہ اس عقیدے کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔

بنی آدم اور رسول

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝
(الاعراف۔ 36 :7)

اے ابنائے آدم! اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں جو تم پر میری آیات پڑھتے ہوں تو جو بھی تقویٰ اختیار کرے اور اصلاح کرے تو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور وہ غمگین نہیں ہونگے۔

یہ آیت کریمہ ظاہر کرتی ہے کہ جب تک بنی آدم اس زمین پر موجود ہیں رسولوں کا آنا ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تاکیدی نصیحت فرمائی ہے کہ جو کوئی بھی اس آنے والے رسول کی بات مانے گا اسے کوئی خوف و غم نہیں ہوگا۔ جیسا کہ ظاہر ہے ہم سب بنی آدم ہیں۔ اگر ہمارے پاس اب کسی نبی نے نہیں آنا تو ہمارے لئے یہ نصیحت بے فائدہ ہے۔ لیکن قرآنِ کریم کی تعلیمات قیامت تک کیلئے ہیں اس لئے یا تو اس آیت کو منسوخ ماننا پڑیگا جو ہرگز جائز نہیں یا پھر نبیوں کا آتے رہنا ماننا پڑیگا جو ایک واحد حل ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس آیت کریمہ کے مخاطب پچھلے زمانوں کے لوگ تھے۔ اب چونکہ نبوّت ختم ہو چکی ہے اس لئے اب یہ حکم ہمارے لئے باقی نہیں رہا۔ حالانکہ اول تو ''بنی آدم'' کا لفظ استعمال فرما کر اس خطاب کو عمومی بنا دیا گیا ہے دوسرا یہ کہ اس آیت سے چند آیات پہلے بنی آدم کو خطاب کر کے تمام مسجدوں کی طرف جاتے ہوئے زینت یعنی تقویٰ اختیار کرنے اور کھانے پینے میں اسراف سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ حکم بھی عمومی ہے اور تمام مسلمان اس حکم کو اپنے لئے واجب سمجھتے ہیں۔ بعینہٖ اس آیت کریمہ میں مندرج یہ حکم یعنی کسی رسول کے آنے پر اس کی اتباع کا حکم بھی عمومی ہے اور کسی مخصوص قوم یا وقت کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا۔

اس آیت کریمہ میں دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ رسولوں کے آنے کے بارے میں لفظ (مِنۡکُمۡ) استعمال فرمایا گیا ہے یعنی ''تم میں سے'' نہ کہ (عَلَیۡکُمۡ) یعنی ''تم پر''۔ جس کا مطلب ہے کہ انبیاء انسانوں میں سے تشریف لاتے ہیں نہ کہ ان کے اوپر وارد ہوتے ہیں جیسا کہ غیر احمدی مسلمانوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ ہمارے اوپر سے آئیں گے ہم میں سے نہیں ہونگے۔ اس آیت کریمہ میں انبیاء کو ماننے کا جو نتیجہ ظاہر فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان انبیاء کو قبول کرنے والوں اور اپنی اصلاح کرنے والوں کو کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔ 11 ستمبر 2001ء کے واقعہ کے بعد موجودہ حالات میں مسلمانوں پر ایک عالمگیر خوف اور غم کا جو غلبہ ہے وہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے ایک نبی کو قبول کرنے اور اپنی اصلاح کرنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں وہ

خوف اورغم کی حالت میں گرفتار کردیئے گئے ہیں۔ بغداد میں ہلاکوخان کے حملے کے بعد مسلمان دنیا کے دیگر ممالک میں پناہ گزین ہوگئے تھے اور اپنی نئی زندگیاں شروع کردی تھیں۔لیکن امریکہ کے بغداد پر حملے کے بعد کسی مسلمان کو دنیا کے کسی خطے میں امن نہیں ہے اور امریکی ایجنسیاں اور فوج کسی بھی مسلمان کو دہشت گرد قرار دے کر اسے کہیں سے بھی گرفتار کر کے لے جاتی ہیں۔

اطاعت کے نتیجہ میں انعامات

سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دعا سکھائی ہے

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحة ۔ 7 ,6 :1)

ہمیں سیدھے راستہ پر چلا۔ ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تو نے انعام کیا۔

اس آیت کریمہ میں نہ صرف سیدھے راستہ پر چلنے کی دعا سکھائی گئی ہے بلکہ یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ سیدھی راہ ان لوگوں کی ہے یعنی صراط مستقیم پر چلنے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعامات کئے ہیں۔اس منعم علیہ گروہ کا نام اور ان پر کئے جانے والے انعامات کا ذکر سورہ نساء کی آیت۔70 میں کیا گیا ہے

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝ (النساء ۔ 70 :4)

اور جو بھی اللہ کی اور اس رسول کی اطاعت کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یعنی) نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔اور یہ بہت ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اس آیت کے سیاق وسباق سے بھی اس مضمون کی خوب وضاحت ہوتی ہے۔آیت۔ 60 سے لیکر آیت۔69 تک مومنوں کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم اس وقت تک مومن ہو ہی نہیں سکتے جب تک اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے تمام اختلافات میں حَکَم نہ بنالو اور اس کے فیصلوں کو خوشدلی سے قبول نہ کرلو۔اگر تم ایسا کروگے تو ہم تمہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت کریں گے اور پھر مذکورہ بالا آیت میں بتایا گیا ہے کہ صراط مستقیم پر چلنے کا مطلب ان لوگوں میں شامل ہونا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعامات کئے ہیں۔تفسیر بحر المحیط میں امام راغب سے یہی معنی منقول ہیں کہ اطاعت کے نتیجے میں اس امت کے نبی نبیوں کے ساتھ، صدیق صدیقوں کے ساتھ، شہید شہیدوں کے ساتھ اور صالح صالحین کے ساتھ شامل کئے جائیں گے۔

غیراحمدی علماء جماعت احمدیہ کی اس تشریح پراعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سورۃ النساء کی اس آیت میں لفظ ''مــــع'' استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ساتھ ہوتا ہے، چنانچہ امت محمدیہ کے افراد انبیاء کے ساتھ تو ہونگے لیکن نبی نہیں بن جائیں گے اور یہ شمولیت بھی آخرت میں ہے اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان معنی کو اختیار کرنے میں بہت بڑی قباحت یہ ہے کہ امت میں نبوت کے انکار کے ساتھ ساتھ باقی تمام درجوں کا بھی انکار کرنا پڑے گا کہ اطاعت کے نتیجے میں اس دنیا میں نہ کوئی صدیق بن سکتا ہے نہ شہید اور نہ صالح، حالانکہ خود صحابہ کرامؓ میں صدیق بھی تھے، شہید بھی اور صالحین بھی۔ سوال یہ ہے کہ جو اس دنیا میں یہ مرتبے نہ پا سکے وہ آخرت میں ان مقامات کو کیسے حاصل کرسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل ۔ 17: 73) اور جو اسی دنیا میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا

قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ مع مِن کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کہا تو یہ جاتا ہے کہ ''ساتھ'' لیکن مراد لی جاتی ہے'' میں سے ''۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو پکارتے ہوئے کہتے ہیں

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ○ (ھود ۔ 43 :11) اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو

اسی طرح ابلیس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ سجدہ کرنیوالوں کے ساتھ نہ تھا تو اس سے مراد یہی ہے کہ وہ ان میں شامل نہیں تھا

قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ○ (الحجر ۔ 33 :15) اس نے کہا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہیں ہوا۔

مومنوں کو یہ دعا سکھائی گئی ہے

وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ○ (آل عمران ۔ 3:194) اور ہمیں نیکوں کے ساتھ موت دے

اب اس دعا سے یہ تو مراد نہیں لی جا سکتی کہ جب بھی نیک لوگ فوت ہوں ہم بھی ان کے ساتھ فوت ہو جائیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ہم ایسی حالت میں فوت ہوں جب ہم نیک لوگوں میں شمار کئے جائیں۔ جیسے سورہ البقرہ کی اس آیت کریمہ میں کہا گیا ہے

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ (البقرۃ ۔ 133 :2) پس ہرگز مرنا نہیں مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبردار ہو

قرآن کریم میں مومنوں کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ

يٰۤاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوااتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ O (التوبة ـ 119 :9)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اگر ''مع'' کے معنی صرف ساتھ رہنے کے کئے جائیں اور اس گروہ میں ان کا شمار نہ کیا جائے جن کی معیت کی مومنوں کو نصیحت کی جا رہی ہے تو اس آیت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا اور صرف یہ سمجھا جائے گا کہ مومنین صادقوں کے ساتھ تو رہیں لیکن وہ خود صادق نہیں بن سکتے۔ یہ تعبیر و تشریح اسلامی روح کے کس قدر خلاف ہے، بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

فعل مضارع اور سنّت اللّٰہ

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلاً وَّ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ O (الحج ـ 76 :22)

اللہ فرشتوں میں سے رسول چنتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ یقیناً اللہ بہت سننے والا (اور) گہری نظر رکھنے والا ہے۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُـلْـقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ O (المؤمن ـ 16 :40)

وہ بلند درجات والا صاحب عرش ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے امر سے روح کو اتارتا ہے تا کہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

عربی گرامر میں فعل مضارع کی یہ خاصیت ہے کہ وہ بیک وقت حال اور مستقبل کو بیان کرتا ہے اور اسی طرح کسی کی عادت مستمرہ بھی اسی فعل کے ذریعے بیان کی جاتی ہے۔ سورہ حج کی مندرجہ بالا آیت میں لفظ '' يَـصْـطَـفِى '' جو کہ فعل مضارع ہے استعمال فرمایا گیا ہے جس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ چُنتا ہے اور چُنے گا۔ اسی طرح سورہ المومن کی مندرجہ بالا آیت میں بھی فعل مضارع '' يُـلْقِى '' کے استعمال سے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے روح القدس یعنی جبریل کا نزول کرتا ہے اور کرے گا۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ (الانعام ـ 125 :6)

اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا انتخاب کہاں سے کرے۔

سورہ الانعام کی مندرجہ بالا آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ انسانوں میں سے رسول چننے اور اپنے بندوں میں سے جس پر

چاہے روح القدس یعنی جبریل بھیجنے کا یہ کام اللہ تعالیٰ کب کرے گا، کہاں کرے گا اور کس کو بطور رسول منتخب کرے گا یہ سب اس کا اختیار ہے۔ نہ تو اس سے اس بارے میں سوال کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے انتخاب کے بارے میں کوئی اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ کسے، کب اور کہاں اپنا رسول بنائے گا۔ اس آیت کریمہ میں نہ صرف اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ اختیار واضح کیا ہے بلکہ فعل مضارع '' يَجْعَلُ ''استعمال فرما کر رسالت کے انتخاب کا کام حال کے ساتھ ساتھ مستقبل سے بھی باندھ دیا ہے۔ اور یہ واضح فرما دیا ہے کہ کہ جب بھی، جہاں بھی اور جس کو بھی نبی بنانے اور بھیجے جانے کی ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ اپنا یہ اختیار استعمال فرماتے ہوئے نبی بھیجے گا۔ اسی آیت میں ان تمام لوگوں کا بھی جواب دیا گیا ہے جو سوال کرتے ہیں کہ کیا جماعت احمدیہ کے نزدیک حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے بعد کوئی اور نبی بھی آ سکتا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں اصولی جواب وہی ہے جو اوپر دیا جا چکا ہے کہ یہ خالصتًا اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے اور اس کے مکمل علم پر منحصر ہے کہ وہ آئندہ مستقبل میں کسی نبی کی ضرورت محسوس کرتا ہے یا نہیں۔ اصولاً وہ اپنی قدرتِ کاملہ استعمال کرتے ہوئے نبی بھیج بھی سکتا ہے۔ جہاں تک مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ یعنی وحی والہام کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو کبھی معطّل نہیں ہو سکتی۔ وہ جس پر چاہے اپنی اس صفت کا اظہار کر سکتا ہے۔

نزول وحی کے طریقے

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآىِٕ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ (الشوریٰ ۔ 42:52)

اور کسی انسان کیلئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی پیغام رساں بھیجے جو اس کے اذن سے جو وہ چاہے وحی کرے یقیناً وہ بہت بلند شان (اور) حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وہ تین طریق بتائے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ انسانوں سے کلام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انسان سے کلام کی یہ تین قسمیں وحی، سچا خواب یا کشف اور رسول یعنی فرشتہ کے ذریعے پیغام پہنچانے پر مشتمل ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں طریقوں سے کلام فرمایا۔ آپؐ کو وحی بھی ہوئی جو کسی فرشتے کے سامنے آئے بغیر کلام الٰہی کے نزول کو کہتے ہیں۔ پھر آپؐ کو سچے خوابوں اور کشوف کے ذریعے بھی، جنہیں نبوّت کا چھیالیسواں جزو کہا گیا ہے، کلام الٰہی پہنچایا گیا۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ جبریل بنفس نفیس آپؐ کے سامنے حاضر ہو جایا کرتے تھے اور الٰہی پیغام پہنچاتے تھے۔ اس تیسرے طریقے میں ایک بار صحابہؓ کی ایک جماعت کو بھی شامل کر لیا گیا جب جبریل ان سب کے سامنے مجلس میں انسانی شکل میں تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کی۔ بخاری کتاب الایمان میں یہ حدیث مذکور ہے۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ حضرت جبریل حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں لفظ " بشــــر " استعمال کیا گیا ہے۔ سو اس لحاظ سے بھی یہ آیت عمومی اور مستقل رنگ رکھتی ہے کیونکہ ہر زمان و مکان کے انسان اس آیت کے مخاطب ہیں۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ جب تک اس زمین پر بشریت قائم ہے اللہ تعالیٰ کا انسان سے کلام جاری رہے گا۔ اسی مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کی کثرت انسان کو نبوت و رسالت کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ اگر یہ سلسلہ جاری نہ ہوتا تو قیامت تک قائم رہنے والی اس کتاب میں انسانوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس اصول کا ذکر بے معنی ہوتا۔

جو کلام نہ کرے وہ خدا نہیں

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ لَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ○ (الاعراف ۔ 7:149)

اور موسیٰ کی قوم نے اس کے بعد اپنے زیورات سے ایک ایسے بچھڑے کو (معبود) پکڑ لیا جو ایک (بے جان) جسم تھا جس سے بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی۔ کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ وہ نہ ان سے بات کرتا ہے اور نہ انہیں (سیدھی) راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ وہ اسے پکڑ بیٹھے اور وہ ظلم کرنے والے تھے۔

اس مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ سیناء پر جانے کے بعد ایک بچھڑے کا بُت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس ظلم عظیم پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے یہ نہیں دیکھا کہ یہ بُت جو نہ بولتا ہے اور نہ ہی تمہیں کوئی سیدھی راہ دکھاتا ہے تمہارا خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس آیت سے یہ صاف ظاہر ہے کہ کلام کرنا اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کی صفات میں شامل ہے جو کبھی معطل نہیں ہو سکتیں۔ زمانہ حال کے مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جبریل کا اس دنیا میں نزول قطعی طور پر بند ہو چکا ہے۔ حدیثیں وضع کرنے والوں نے "لا وحی بعد الموتی " یعنی میری موت کے بعد کوئی وحی نہیں، جیسی حدیث گھڑ کر آنحضرت ﷺ سے منسوب کر دی۔ بہت سے محدثین اس حدیث کو وضعی اور بے اصل قرار دے چکے ہیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ---- (الانعام ۔ 6: 92)

اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نہیں اتارا۔

غیر احمدی مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا ایک عرصہ سے کلام کرنا ترک کر چکا ہے اور قرآن مجید نازل کرنے کے بعد گویا اپنا فرض نبھا کر فارغ ہو بیٹھا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس فاسد عقیدے کی تردید فرماتے ہوئے کہتا ہے کہ تم سے پہلے بھی لوگوں نے ایسے وجود کو خدا مان لیا جو نہ کلام کرتا اور نہ ہدایت دیتا ہے۔ اب تم ہوشیار رہنا اور ہرگز کسی ایسے وجود کو خدا نہ مان لینا جو نہ تو انسانوں کے ساتھ کلام کرے اور نہ ہی انہیں ہدایت دے سکے۔ مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کچھ بھی نازل نہیں کرتا اس کی ناقدری ہے۔ گویا ہمیں یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ کبھی بھی اپنے ربّ کی ایسی ناقدری نہ کرنا کہ ان صفات کو اس سے معطّل سمجھ لو کیونکہ سچے خدا میں یہ صفات معطّل نہیں ہوسکتیں۔ بقول عبید اللہ علیم!

اب کہیں بولتا نہیں غیب جو کھولتا نہیں
ایسا اگر کوئی خدا تم نے بنا لیا تو کیا

نبوت ختم ہونے کی تردید

وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝ (الجن۔ 8 :72)

اور انہوں نے بھی گمان کیا تھا جیسے تم نے گمان کر لیا کہ اللہ ہرگز کسی کو مبعوث نہیں کریگا۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَازِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۝ (المؤمن۔ 35 :40)

اور یقیناً تمہارے پاس اس سے پہلے یوسف بھی کھلے کھلے نشانات لے کر آ چکا ہے مگر تم اس بارہ میں ہمیشہ شک میں رہے ہو جو وہ تمہارے پاس لایا یہاں تک کہ جب وہ مر گیا تو تم کہنے لگے کہ اب اس کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول مبعوث نہیں کریگا۔ اسی طرح اللہ حد سے بڑھنے والے (اور) شکوک میں مبتلا رہنے والے کو گمراہ ٹھہراتا ہے۔

ان دونوں آیات میں بتایا گیا ہے کہ پہلے بھی لوگوں میں ایسا عقیدہ رہا ہے کہ ان کا نبی آخری نبی ہے اور اب اللہ تعالیٰ کسی کو مبعوث نہیں کریگا۔ ایسے لوگوں کو " مُسْرِفٌ "، یعنی فضول خرچی کرنے والے یا اپنی حد سے بڑھنے والے اور "مُرْتَابٌ "، یعنی شک کرنے والے کہا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ سورہ الانعام (125:6) کی رو سے یہ صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے کہ وہ اپنی رسالت کا انتخاب کہاں سے کرے۔ چنانچہ اس شخص کو، جو اپنے زمانہ کے نبی کے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا رہے اور پھر اس کی انہی خوبیوں کو، جن کا وہ اس نبی کی زندگی میں انکار کرتا رہا ہے، بہانہ بنا کر اس کے بعد کسی بھی نبی کے آنے کا انکار کردے اور اپنی حد سے

بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے اختیار پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے خدا کی اس نعمت اور فضل یعنی نبوت کا بانٹنا، جاری کرنا یا بند کرنا اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرے اللہ تعالیٰ نے "مُسْرِف" اور "مُرْتَاب" قرار دیا ہے۔ مودودی صاحب اس آیت کی یہی تفسیر کرتے ہوئے یہ فراموش کر گئے کہ یہ حقیقت ان پر اور ان کے ماننے والوں پر بھی سو فیصد اطلاق پا رہی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''یعنی تمہاری گمراہی اور پھر اُس پر ہٹ دھرمی کا حال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمہارے ملک میں یوسف علیہ السلام آئے جن کے متعلق تم خود مانتے ہو کہ وہ بلند ترین اخلاق کے حامل تھے اور اس بات کا بھی تمہیں اعتراف ہے کہ انہوں نے بادشاہِ وقت کے خواب کی صحیح تعبیر دے کر تمہیں سات برس کے اُس خوفناک قحط کی تباہ کاریوں سے بچا لیا جو اُن کے دور میں تم پر آیا تھا۔ اور تمہاری ساری قوم اس بات کی بھی معترف ہے کہ اُن کے دورِ حکومت سے بڑھ کر عدل و انصاف اور خیر و برکت کا زمانہ کبھی مصر کی سرزمین نے نہیں دیکھا۔ مگر اُن کی ساری خوبیاں جانتے اور مانتے ہوئے بھی تم نے ان کے جیتے جی ان پر ایمان لا کر نہ دیا، اور جب ان کی وفات ہوگئی تو تم نے کہا کہ اب بھلا ایسا آدمی کہاں پیدا ہوسکتا ہے۔ گویا تم ان کی خوبیوں کے معترف ہوئے بھی تو اس طرح کہ بعد کے آنے والے ہر نبی کا انکار کرنے کے لیے اسے ایک مستقل بہانہ بنا لیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہدایت بہر حال تمہیں قبول نہیں کرنی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد چھارم صفحہ 408,409، ناشر ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور، سنِ اشاعت جون ـ 2001)

مُسرف قوم سے خدا تعالیٰ کا سوال

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ☆ وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ☆ (سورة الزّخرف ـ 43: 6, 7)

کیا ہم تمہیں نصیحت کرنے سے محض اس لئے باز آجائیں کہ تم ایک حد سے بڑھی ہوئی قوم ہو؟ اور کتنے ہی نبی ہم نے پہلے لوگوں میں بھیجے تھے

جیسا کہ پچھلی آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ مُسرف یعنی حد سے بڑھنے والے لوگ ہی نبوت کے اختتام کے اعلان کی جرأت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اب اس نبی کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کو بطور نبی مبعوث نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے یہ پوچھتا ہے کہ کیا ہم محض اس لئے نبی بھیجنے سے باز آجائیں کہ تم اپنی حد سے تجاوز کر کے اس بات کا اعلان کر چکے ہو کہ اب اللہ تعالیٰ کوئی نبی مبعوث نہیں کرے گا اور اب ہمیں کسی آسمانی نصیحت کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھو تم سے پہلے بھی لوگ ایسا ہی دعویٰ کرتے تھے لیکن پھر بھی ہم نے ان میں بہت سے نبی بھیجے۔ چنانچہ تم لوگوں کو نبوت کے اختتام کا جتنا چاہے یقین دلاؤ، یہ عمل آئندہ بھی جاری رہے گا

نبوت نفع بخش ہے یا نقصان دہ

وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ؕ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ ۝ (الرعد۔ 18 :13)

اور جو انسانوں کو فائدہ پہنچاتا ہے تو وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے۔اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ نبوت انسانوں کیلئے نفع بخش چیز ہے، نقصان دہ شے نہیں۔نبی انسانوں کو پوشیدہ نقصانات اور فائدوں پر مطلع کر کے انہیں جنّت کی خوشخبریاں دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے۔پھر جو نبی کی ان باتوں پر ایمان لے آئے وہ دین و دنیا میں فلاح و کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔اسی فائدہ کی نشاندہی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اس آیت میں سیلاب کے پانی اور اس پر آ جانے والی جھاگ اور سونا اور اس کو دہکا کر اس سے نکالے جانے والی میل کی مثال بیان فرما کر ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ بیکار چیز ضائع ہو جاتی ہے لیکن انسانوں کے فائدہ کی چیز زمین میں قائم رہتی ہے۔نبوت چونکہ انسانوں کے فائدہ کی چیز ہے لہذا اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی مثال کی روشنی میں نبوت کے ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فرشتوں کا نزول

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ (حٰم السجدۃ ۔ 31 :41)

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے، پھر استقامت اختیار کی، ان پر بکثرت فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ اور اس جنت (کے ملنے) سے خوش ہو جاؤ جس کا وعدہ تم دیئے جاتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں بھی نزول ملائکہ کا مسلسل اور جاری اصول اور وہ سنت اللہ بیان کی گئی ہے جس کا قرآن کریم پر ایمان کا دعویٰ رکھنے والا کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی کوئی تاویل کر سکتا ہے۔کیونکہ فرشتوں کا انسانوں پر نازل ہونا، ان سے کلام کرنا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کی بشارت پہنچانے کا واقعہ اسی دنیا میں ہونا بیان کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ جو اللہ کو اپنا رب مان کر تمام مروجہ بتوں کی پرستش سے انکار کر دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں زمانہ انہیں اپنے مظالم کا شکار بناتا ہے تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اللہ کا یہ پیغام انہیں پہنچاتے ہیں کہ غم مت کرو ہم تمہارے اس دنیا میں بھی ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ رہیں گے اور یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ غفور رحیم خدا نے ہمیں تمہارے اوپر اس سکینت اور بشارت کو نازل کرنے کا حکم دیا ہے۔اس آیت کی موجودگی میں وحی الٰہی کے نزول کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اگر کسی بات کا انکار کیا جا سکتا ہے تو وہ

یہ کہ اب ایسے لوگ ہی پیدا نہیں ہوتے جو اللہ کو اپنا رب مان کر اس دعویٰ پر استقامت رکھیں اور کسی جھوٹے خدا کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیں۔ اگر حقیقت یہی ہو تو پھر اسلام اور مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔

پاکیزہ درخت

مندرجہ ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال ایک ایسے پاکیزہ درخت سے دی ہے جو زمین میں مضبوطی سے قائم ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اور وہ ہر زمانے میں اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا رہتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ o تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ o

(ابراهيم - 26 ,25 :14)

کیا تو نے غور نہیں کیا کہ کس طرح اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک کلمہ طیبہ کی ایک شجرہ طیبہ سے۔ اس کی جڑ مضبوطی سے پیوستہ ہے اور اس کی چوٹی آسمان میں ہے۔ وہ ہر گھڑی اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل دیتا ہے۔ اور اللہ انسانوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

صاف ظاہر ہے کہ اسلام ہی وہ کلمہ طیبہ ہے جس کو بطور مثال اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا کی جسمانی چیزوں کو بطور مثال پیش فرما کر انسانوں کو عالم روحانی کی طرف متوجہ فرماتا ہے۔ چنانچہ دین اسلام کو پاکیزہ درخت قرار دے کر اس کی تین بنیادی خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ اسلام ایک مضبوط دین کے طور پر قائم رہے گا اور کوئی طاقت اس کو ختم نہیں کر سکے گی۔ پھر یہ کہ اس کے ماننے والوں کا تعلق آسمان سے قائم ہوگا اور وہ نہایت بلندی سے سرفراز کئے جائیں گے اور یہ کہ اسلام میں ربّانی علماء، اولیاءِ کرام اور مجدّدین کی صورت میں ایسے نافع الناس وجود ہر دور میں پیدا ہوتے رہیں گے جن سے لوگ روحانی واخلاقی فیض حاصل کرتے رہیں گے۔ افسوس کا مقام ہے کہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کی طرح مسلمان بھی یہ ماننے لگ گئے ہیں کہ اسلام ایک ایسا درخت بن چکا ہے جس پر اب کوئی پھل نہیں لگتا اور اس کے ثمرات اب ماضی کا قصہ بن چکے ہیں۔ یعنی ان کے بقول مسلمانوں میں اب کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوسکتا جس کو مکالمہ ومخاطبہ الٰہی کا شرف عطا کیا جا سکے اور وہ وحی والہام کی روشنی میں خلقِ خُدا کی ہدایت اور تبلیغِ اسلام کا کام سرانجام دے سکے۔ اس سلسلے میں دلچسپ مگر ساتھ ہی ساتھ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ہر زمانے میں ایسے لوگوں کی مخالفت کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ ومخاطبہ کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن اِن کی وفات کے بعد ماضی پرست لوگ انہیں مقدس قرار دے کر پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔

مردہ زمین کا زندہ کرنا

سورہ حدید کی مندرجہ ذیل آیات میں لوگوں کی مثال زمین سے اور وحی کی مثال بارش سے بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ محکم اصول اور غیر مبدل سنت بیان فرمائی ہے کہ جس طرح وہ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا کرتا ہے۔اسی طرح انسانوں کی روحانی موت کے بعد وہ انہیں وحی کی بارش کے ذریعے دوبارہ زندہ کرتا ہے۔اس مثال کو بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو خبردار کیا ہے کہ دیکھو پچھلے لوگوں کی طرح مت ہوجانا جن کو جب نبی کے ذریعے شریعت دی گئی اور پھر ان پر ایک مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور جب اس سختی کو دور کرنے کیلئے خدا نے ان پر روحانی بارش برسائی تو انہوں نے اپنے دلوں کے دروازے اس پر بند کر لئے اور اس ہدایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

--- وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

(الحدید ۔ 57:17,18)

۔۔۔اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ بنیں جو پہلے کتاب دیئے گئے تھے؟ پس ان پر زمانہ طول پکڑ گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے ان میں بدعہد تھے۔جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد ضرور زندہ کرتا ہے۔ہم آیات کو تمہارے لئے کھول کھول کر بیان کر چکے ہیں تا کہ تم عقل سے کام لو۔

تاریخ کا مطالعہ بھی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ الہامی تعلیم کے نازل ہونے کے بعد جب اس پر ایک لمبا عرصہ گزر جاتا ہے تو اصل تعلیم آہستہ آہستہ فراموش کر دی جاتی ہے اور نفسانی خواہشات کے تحت کی گئی من مانی تصریحات اس میں داخل کر دی جاتی ہیں۔ اصل تعلیم انسانوں کو نرم دل اور خلق خدا سے محبت کرنیوالا بناتی ہے جبکہ انسانی دست برد کا شکار ہونے کے بعد اس تعلیم میں سختی، تعصب اور اپنے سواسب کو قابل گردن زدنی سمجھنے کے اصول رواج پا جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح وہ زمین کو مردہ حالت میں نہیں چھوڑتا اور بارش برسا کر اسے مردہ سے زندہ کر دیتا ہے تا کہ انسانی جسم کی بقاء کے لئے اس زمین سے خوراک اگائی جا سکے اسی طرح سخت بلکہ مردہ دلوں کو زندہ کرنے کے لئے بھی وحی والہام اور تازہ بتازہ کلام الٰہی اور نشانات کا ایک سلسلہ جاری رہتا ہے تا کہ انسان کی روحانی زندگی کی نشوونما ہوتی رہے۔

مومنوں کو ایمان لانے کا حکم

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًاO (النساء ۔ 137 :4)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس کتاب پر بھی جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے اتاری تھی۔ اور جو اللہ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور یوم آخر کا تو یقیناً وہ بہت ہی دور کی گمراہی میں بھٹک چکا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍO تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O (الصّف ۔ 12 ,11 :61)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت پر مطلع کروں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے نجات دے گی؟ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اللہ کے راستے میں اپنے اموال کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے رہو۔ یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

مندرجہ بالا آیات اس بات کی واضح نشاندہی کر رہی ہیں کہ ایک مومن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والے ہر وجود پر ایمان لانا لازمی ہے اور وہ اپنے پیدائشی عقیدے کو بہانہ بنا کر امام وقت کی اطاعت سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے تمام صحابہ سے، جو پہلے ہی آپؐ سے وفاداری اور اسلام کی خاطر جینے مرنے کا حلف اٹھا چکے تھے، ایک درخت کے نیچے بیعت لی جس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ ان آیات میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مومنین خدا کی راہ میں مالی اور جانی قربانی کرنے میں سست ہو سکتے ہیں۔ ان کو راہ راست پر لانے کیلئے ایسے وجود مبعوث ہوتے رہیں گے جو ان کو تجدید بیعت و اطاعت کی طرف لائیں گے اور خدا کی راہ میں اس کے دین کی اشاعت کی خاطر ان سے مالی اور جانی قربانی طلب کریں گے۔ ان پر ایمان لانا مومنین کیلئے لازمی ہوگا۔ ان آیات میں ایسے لوگوں کو بھی مخاطب کیا گیا ہے جو مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کی عملی زندگی مومنانہ حالت سے بہت دور ہوتی ہے۔ وہ اپنی اس حالت پر آگاہ بھی ہوتے ہیں اور اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں لیکن خود اس حالت کو بدلنے پر قادر نہیں ہوتے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ اگر تم واقعی ایمان رکھنے والے ہو تو پھر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے مصلح پر ایمان لانا چاہئے جو تمہیں اس دنیا میں درپیش مسائل کے ساتھ ساتھ آخرت کے عذاب سے بھی چھٹکارا دلوا سکتا ہے۔

میثاق النبیّین

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ○ (آل عمران ۔ 3:82)

اور جب اللہ نے نبیوں کا میثاق لیا کہ جبکہ میں تمہیں کتاب اور حکمت دے چکا ہوں پھر اگر کوئی ایسا رسول تمہارے پاس آئے جو اس بات کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لے آؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس بات پر مجھ سے عہد باندھتے ہو؟ انہوں نے کہا (ہاں) ہم اقرار کرتے ہیں۔ اس نے کہا پس تم گواہی دو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے عہد کا ذکر فرمایا ہے جو انبیاء سے اور ان کے ذریعے ان کی قوموں سے لیا گیا تھا کہ جب بھی ان کے پاس ان کی تعلیم کا مصدق رسول آئے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ان پر فرض عین ہوگا۔ اس بارے میں علماء لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ عہد انبیائے سابقین سے تو لیا گیا تھا لیکن آنحضرت ﷺ سے یہ عہد نہیں لیا گیا۔ اگرچہ اس آیتِ کریمہ میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں جو علماء کی اس بات کو کسی بھی درجے میں ثابت کرتا ہو لیکن مندرجہ ذیل آیت واضح طور پر اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ یہ میثاق نبی اکرم ﷺ سے بھی لیا گیا تھا۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ○ (الاحزاب ۔ 33:8)

اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا اور تجھ سے بھی اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے۔ اور ہم نے ان سے بہت پختہ عہد لیا تھا۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عہد نہ صرف انبیائے سابقین سے بلکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی لیا گیا۔ اس عہد کی رو سے امت محمدیہ پر بھی یہ فرض عائد کیا گیا اور یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ جب بھی ان کے پاس کوئی ایسا رسول آئے جو اسلام کی تصدیق کرے، اور آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین تسلیم کرے تو اس کو مانیں اور اس کی مدد و نصرت کریں۔ اس ذمہ داری کو اللہ تعالیٰ نے (اصری) کہا ہے یعنی میرا ذمہ۔ یہ وہ بوجھ ہے جو اللہ نے ہم پر ڈالا ہے اور اللہ ہم پر ایسا بوجھ کبھی نہیں ڈالتا جس کو ہم اٹھا نہ سکیں اور بعد میں اس کو اتارنا پڑے۔ "**لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا**"

رسالہ ختم نبوۃ کی اشاعت اپریل 1988ء میں ایک مولوی صاحب نے یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ سورہ الاعراف آیت ۔158 میں جو یہ ذکر ہے کہ اس رسول نبی امّی ﷺ نے مومنین سے ان کا بوجھ (اِصْــرَھُمْ) اتار دیا ہے اس سے مراد وہی بوجھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے میثاق النبیین کے ذریعے انسانوں پر عائد کیا تھا لیکن اب چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا اس لئے ہمیں اس بوجھ سے فارغ کر دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ اول تو خدا ایسا بوجھ عائد ہی نہیں کرتا جس کو انسان اٹھا نہ سکے یا اسے بعد میں ہٹانا پڑے ۔ دوسرے یہ کہ الاعراف ۔158 میں لفظ ''اِصْرِیْ'' نہیں ہے بلکہ ''اِصْــرَھُمْ '' ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر خود ایسے بوجھ لاد لیتے ہیں جن سے وہ پھر خود ہی چھٹکارا نہیں پا سکتے اور خدا کے انبیاء آ کر انہیں ان بوجھوں سے نجات دیتے ہیں ۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَ لَـمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ o وَوَضَـعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ o الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ o (الم نشرح ۔ 4-2 :94)

کیا ہم نے تیری خاطر تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور تجھ سے ہم نے تیرا بوجھ اتار نہیں دیا؟ جس نے تیری کمر توڑ رکھی تھی۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان خود اپنے اوپر ایسے بوجھ عائد کرتا ہے تبھی خدا نے ان آیات میں بھی لفظ ''وزرک'' فرمایا۔ یعنی تیرا بوجھ۔ اسی طرح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''اصرھم'' فرمایا جس کو آنحضرت ﷺ نے مومنوں سے اتار دیا نہ کہ ''اصــری''۔ اس ضمنی بات کو بیان کرنے کے بعد عرض ہے کہ میثاق کو پورا نہ کرنے کی صورت میں اور خدا سے کئے گئے اس عہد کو توڑنے کی سزا کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَاللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ وَ یَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّـٰہُ بِـہٖٓ اَنْ یُّـوْصَـلَ وَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ لا اُولٰٓئِکَ لَھُمُ اللَّعْنَۃُ وَ لَھُمْ سُوْٓءُ الدَّارِo (الرعد ۔ 26 :13)

اور وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پختگی سے باندھنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اسے قطع کرتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے لعنت ہے اور ان کیلئے بدتر گھر ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا حال ترتیب وار بیان کر دیا گیا ہے جنہوں نے پہلے تو اللہ سے کئے گئے عہد کو توڑا یعنی حضرت امام مہدی علیہ السلام کو ماننے اور ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ صف کی آیت ۔15 میں ان حواریانِ مسیح کا مثیل بننے کا حکم دیا تھا جنہوں نے مسیحؑ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کہا تھا کہ ہم ہیں انصار اللہ یعنی اللہ کے دین کے مددگار۔ انکار کا پہلا قدم اٹھاتے ہوئے علماء نے مسیح ثانی پر ایمان لانے اور انصار اللہ بننے سے انکار کیا اور پھر اس آیت کریمہ میں بیان کردہ دوسری نشانی کو پورا کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دیدیا اور اس طرح اس امت کے ٹکڑے کر ڈالے جس کو جوڑنے اور ایک رکھنے کا حکم خدا نے دیا تھا اور پھر اس کے بعد تیسری علامت کے طور پر انہوں نے مختلف تحریکات کے ذریعے ملک میں

بدامنی اورفساد برپا کیا اور نہتے لوگوں کی جان واملاک کونقصان پہنچایا۔

وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
(الحدید ۔ 9 :57)

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے؟ اور رسول تمہیں بلا رہا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ جبکہ (اے بنی آدم) وہ تم سے میثاق لے چکا ہے۔ (بہتر ہوتا) اگر تم ایمان لانے والے ہوتے۔

اس آیت میں ایک مرتبہ پھر اس عہد کو یاد کرواتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے تعجب کا اظہار فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنے آپ کو مومن کہتے ہو اور تم سے مصدق رسول کو ماننے کا عہد بھی لیا جا چکا ہے اور پھر یہ رسول کسی نئے خدا، نئی شریعت اور نئے دین کی طرف نہیں بلکہ تمہیں تمہارے ہی رب کی طرف واپس بلا رہا ہے تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود تم اس رسول کی پکار کا جواب نہیں دیتے اور اس کی بات مانتے ہوئے اپنے رب پر حقیقی ایمان نہیں لاتے۔

سوال نمبر۔2

ضرورتِ

نبوّت

خشکی اور تری میں فساد

نبوت کے ہمیشہ جاری رہنے کے محکم اصول کو جان لینے کے بعد **سوال نمبر۔2** کے مطابق اب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ وہ کون سے حالات ہیں اور زمانے کی وہ کون سی ضروریات ہیں جو ایک نبی ورسول کے بھیجے جانے کا تقاضا کرتی ہیں اور خدا تعالیٰ کی رحمت بھی جوش میں آتی ہے اور وہ انسانوں پر رحمت وفضل کی نگاہ کرتے ہوئے انہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لانے کا سامان کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ انسانوں کے اپنے اعمال کے باعث زمین پر فتنہ وفساد پھیل چکا ہے تو وہ انسانوں کی حالت پر رحم کرتے ہوئے ان کو دوبارہ ہدایت پر قائم کرنے کیلئے ایک ہادی کو بھیجتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دور کا نقشہ کھینچتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ ---
(الروم - 42 :30)

لوگوں نے جو اپنے ہاتھوں بدیاں کمائیں ان کے نتیجہ میں فساد خشکی پر بھی غالب آ گیا اور تری پر بھی۔۔۔

جس طرح زمین کے خشک اور بنجر ہونے کے بعد آسمان سے بارش نازل ہو کر زمین کو ایک بار پھر تر وتازہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح دورِ نبوّت سے دور ہونے کے بعد دل خشک ہو کر پتھر بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ایک بار پھر جوش میں آتی ہے اور وہ الہام کا پانی آسمان سے نازل فرماتا ہے اور عالمِ روحانی ایک بار پھر سرسبز ہو جاتا ہے۔

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں بھی ایسے ہی حالات پیدا ہو چکے تھے جب انسانیت عام طور پر اور مسلمان خصوصی طور پر فساد کا شکار ہو چکے تھے جس کا باعث خود ان کے اپنے اعمال تھے۔ امت مسلمہ کے عالم بھی بگڑ چکے تھے اور جاہل بھی۔ یہ صورتحال اس قدر واضح ہے اور تمام مسلمان علماء اور دانشور اس شدت سے اس بات کا اقرار کر چکے ہیں اور کرتے رہتے ہیں کہ ہمیں اس کے حق میں دلیل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ گویا آفتاب آمد دلیلِ آفتاب است۔ اس طرح کی بے شمار مثالیں حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ سے قبل کی بھی موجود ہیں لیکن بطور نمونہ آج کے دور کے غیر احمدی علماء کی دو گواہیاں حاضر ہیں۔

محمد یوسف لدھیانوی صاحب نے اپنی کتاب ''عصرِ حاضر'' میں آنحضرت ﷺ کی وہ تمام احادیث جمع کی ہیں جن میں اس دور کی علامات بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا سرسری مطالعہ واضح کر دیتا ہے، جیسا کہ انہوں نے اس کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے، کہ ان احادیث میں بیان کی گئی علامات آج کے دور کے علماء پر پوری طرح منطبق ہوتی ہیں۔ گویا یہ علماء کے بگڑنے کی ایک اور گواہی ہے جو خود ایک عالمِ دین کے ہاتھوں فراہم ہو رہی ہے۔ اس پیش لفظ میں یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں:

''دور حاضر کو سائنسی اور مادی اعتبار سے لاکھ ترقی یافتہ کہہ لیجئے لیکن اخلاقی اقدار، روحانی بصیرت اور ایمانی جوہر کی پامالی کے لحاظ سے یہ انسانیت کا بدترین دور انحطاط ہے۔ مکر وفن، دغا وفریب، شر وفساد، لہو ولعب، کفر ونفاق اور بے مروتی و دناءت کا جو طوفان ہمارگیر دوپیش برپا ہے اس نے سفینہ انسانیت کے لئے سنگین خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ خلیفہ ارضی (بنی نوع انسان) کی فتنہ سامانیوں سے زمین لرز رہی ہے، آسمان کانپ رہا ہے اور بحر وبر، جبل ودشت اور وحوش وطیور ''الامان والحفیظ'' کی صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں، انسانیت پر نزع کی حالت طاری ہے، اس کی نبضیں ڈوب رہی ہیں اور لحظہ بہ لحظہ اس ''جان بلب مریض'' کی حالت متغیر ہوتی جارہی ہے، یہ دیکھ کر اہل بصیرت کا یہ احساس قوی ہوتا جارہا ہے کہ شائد اس عالم کی بساط لپیٹ دینے کا وقت زیادہ دور نہیں۔ ذیل میں احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) سے ایک آئینہ پیش کیا جارہا ہے جس میں دور حاضر کے تمام خدوخال نظر آتے ہیں اور علماء، خطباء، حکام اور عوام سبھی کے قابل اصلاح امور کی نشاندہی فرمائی گئی ہے، اس کی جمع وترتیب سے مقصود کسی خاص طبقہ کی تنقیص نہیں، لالچ صرف یہ ہے کہ ہم اس شفاف آئینے میں اپنا رخ کردار دیکھ کر اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔'' (عصرِ حاضر۔ محمد یوسف لدھیانوی۔ صفحہ 9۔ مکتبہ بیّنات علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ 1405ھ)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب **(علماء هم شر من تحت اديم السماء)** والی حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''آج ہمیں اس صورتحال کی جھلک اپنے ان علماء میں نظر آتی ہے جنہوں نے دین کو پیشہ بنالیا ہے۔ ان کی ساری دلچسپی امت میں فتنے پیدا کرنے اور اس میں تفرقہ پیدا کر کے اپنی دکان چمکانے سے ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ امت میں جتنا زیادہ اختلاف ابھرے گا، لوگوں کو مناظروں کیلئے مولویوں کی اتنی ہی زیادہ ضرورت ہوگی'' (ماهنامه میثاق، نومبر۔ 1996ء، صفحہ۔ 21)

امت مسلمہ میں فرقہ واریت

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۖ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ --- (آلِ عمران۔ 3:104)

اور اللہ کی رسّی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو آپس میں باندھ دیا اور پھر اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی ہوگئے۔۔۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کا اظہار فرماتے ہوئے بتاتا ہے کہ جب ایسے حالات پیدا ہوں کہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں، فرقہ فرقہ ہوں اور اندرونی خانہ جنگیوں کے باعث تباہی کے دہانے پر کھڑے ہوں تو یہ زمانہ پکار پکار کر ایک رسول کا تقاضا کرتا ہے اور یہ کہ ان حالات کا مداوا انسان کے اپنے بس کی بات نہیں رہتی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ایک مامور بھیجتا ہے جو گروہوں میں بٹے ہوئے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے انسانوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیتا ہے۔ عالم اسلام کی موجودہ حالت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ امّت مسلمہ افسوسناک حد تک اختلافات اور فرقہ پرستی کا شکار ہو چکی ہے۔ مسلمانوں میں اب صرف شیعہ سنّی کی تقسیم نہیں رہی بلکہ یہ دونوں بڑے فرقے مزید بے شمار فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ فرقوں کا اختلاف اور تقسیم در تقسیم یہ ثابت کرتا ہے کہ ان حالات کی درستگی ''اتحاد بین المسلمین'' کے نام نہاد داعیوں کے ذریعے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی نعمت یعنی امام الزماں کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ مندرجہ بالا آیت میں بتایا گیا ہے۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۖ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ ۙ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ (البقرۃ۔ 2:114)

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ (کی بنا) کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود (کی بنا) کسی چیز پر نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جو کچھ علم نہیں رکھتے ان کے قول کے مشابہ بات کی۔ پس اللہ قیامت کے روز اُن کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

سورہ بقرہ کی مندرجہ بالا آیت میں یہود و نصاریٰ کا طرزِ عمل بتایا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کے پاس کتاب موجود ہے جس کو پڑھتے بھی ہیں لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔ اسی طرح ان کے مثیل ایسے لوگ بھی ہیں جو انہی کی طرح کی باتیں کرتے ہیں یعنی ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں اور کتاب اللہ سے فیصلہ نہیں کرتے۔ یہود و نصاریٰ کے یہ مثیل بخاری کتاب الاعتصام والسنۃ باب قول النبیﷺ لتتبعن سنن من کان قبلکم میں بیان فرمودہ حدیث کی روشنی میں آج کے مسلمان ہی ہیں جو قرآنی علم سے بے بہرہ ہو کر یہود و نصاریٰ کی پیروی میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔

جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت کے الزام کا جواب

یہاں پر یہ بے جانہ ہوگا اگر مخالفین کے جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت کے الزام کا ذکر اور اُس کا ردّ کر دیا جائے۔ جماعت احمدیہ پر یہ اعتراض اور الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ایک نیا فرقہ قائم کر کے پہلے سے منتشر اور فرقہ واریت کے شکار مسلمانوں کو مزید تقسیم کر رہی ہے۔ اس الزام کے برعکس جماعت احمدیہ مسلمانوں بلکہ تمام انسانیت کے اتحاد و یکجہتی کے لئے قائم کی گئی ہے اور اُسی سمت میں کام کر رہی ہے جیسا کہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو الہامًا فرمایا گیا:

تُو برائے وصل کردن آمدی　　　نے برائے فصل کردن آمدی

یعنی تو ملانے کے لئے آیا ہے، الگ الگ کرنے کے لئے نہیں آیا۔ یہ اعتراض خصوصی طور پر اُس گروہ کی طرف سے عائد کیا جاتا ہے جنہیں عام طور پر اہلِ قرآن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اگر چہ یہ بات بالکل درست ہے کہ دین میں تفرقہ پیدا کرنا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنا قرآن کریم کی رو سے سخت منع ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ☆ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ ---- (الروم ـ 33 ,32 :(3)	اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔ (یعنی) اُن میں سے (نہ ہو) جنہوں نے اپنے دین کو تقسیم کر دیا اور وہ فرقہ فرقہ ہو چکے تھے۔
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ --- (آلِ عمران ـ 104 :3)	اور اللہ کی رسّی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو۔

اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ جماعت احمدیہ کے قیام سے مسلمانوں کا ایک نیا گروہ اور نیا فرقہ معرضِ وجود میں آیا جس کا نام اس کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے 1901ء کی مردم شماری میں ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' رکھا گیا۔ ان دونوں حقائق کے اعتراف کے بعد یہ دیکھنا باقی ہے کہ کیا کسی بھی قسم کا فرقہ یا گروہ بنانا غیر اسلامی فعل ہے اور کیا واقعی جماعت احمدیہ قرآنِ کریم کی ان مندرجہ بالا آیاتِ کریمہ کی رو سے، جنہیں پیش کر کے قرآنی فکر کے نام نہاد دعویدار حضرات خصوصی طور پر جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت پھیلانے کا الزام عائد کرتے ہیں، امرِ واقعہ کے طور پر ایک غیر اسلامی اور غیر قرآنی فعل کی مرتکب ہوئی ہے یا اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔

فکرِ قرآنی کے ان نام نہاد علمبرداروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ دیگر فرقوں کی طرح جماعت احمدیہ بھی کلمہ گو مسلمانوں کو کافر قرار دے کر اپنے پیشرؤوں کی سنّت پر چل رہی ہے۔ اس الزام میں کتنی صداقت ہے یا باقی الزامات کی طرح یہ بھی جھوٹ کا ایک پلندہ ہے یہ اس وقت ہمارے اس موضوع سے تعلق نہیں رکھتا۔ صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ احمدیوں کو کلمہ گو ہونے کے باوجود انہی حضرات کے سرخیل ایک صاحب انہیں کافر قرار دینے کی پوری سعی فرماتے رہے اور اُن کے پیروکاروں کی طرف سے آج تک اس بات پر فخر کیا جاتا ہے کہ ایک مشہور مقدمہ میں جج صاحب کو انہی صاحب کی فکر سے رہنمائی ملی اور انہوں نے ایک غیر احمدی خاتون کا ایک احمدی سے نکاح انہی صاحب کے دلائل سے متاثر ہو کر فسخ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ فرقے :

جب ہم اپنے اردگرد نظر دوڑاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ اس زمین میں تنوع اور اختلاف پایا جاتا ہے، کہیں پہاڑ ہیں تو کہیں میدان، کہیں گھنے جنگل ہیں تو کہیں صحراء اور دلدلی علاقے، وہاں انسانوں میں بھی بہت سی بنیادوں پر اختلاف پائے جاتے ہیں۔ اس دنیا میں مختلف نسلوں اور قومیّتوں کے لوگ بستے ہیں جن کے رنگ اور زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اُستاد ابراہیم ذوق نے کہا ہے:

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن ۔۔۔ اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

بسا اوقات ایک ہی قوم کے لوگ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسانوں کی عادات، طبائع اور ہنرمندیوں اور ذہنی و جسمانی لیاقتوں میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے۔ مختلف قوموں کی تہذیب و تمدّن بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشی اور اقتصادی طور پر بھی انسانوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ امیر، متوسط اور غریب کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر نہایت نچلے درجے کے ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو کچھ بھی نہیں کماتے اور ہمیشہ دوسروں کے دستِ نگر رہتے ہیں۔ قوموں اور گروہوں کے ساتھ ساتھ یہ اختلاف افراد کے درمیان بھی پایا جاتا ہے اور ایک ہی گھر میں پلنے والے ایک ہی ماں باپ کی اولاد میں عادات، طبائع اور رجحانات کا فرق عام مشاہدہ میں دیکھا گیا ہے۔ غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں تنوع اور تفاوت پایا جاتا ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے کسی باریک نظر اور گہرے مطالعہ کی ضرورت نہیں کہ یہ تمام اختلافات اور فرق پیدا کرنے میں انسان کا اپنا کوئی عمل دخل نہیں بلکہ یہ تمام اختلافات قدرتی اور فطری ہیں۔ یہ ہمارے ساتھ ہی پیدا ہوتے ہیں اور ہمارے ساتھ ہی پروان چڑھتے اور پھلتے پھولتے ہیں۔ گویا یہ تمام اختلافات خود اللہ تعالیٰ کے اپنے پیدا کردہ ہیں اور حیاتِ انسانی کا ایک ناگزیر حصّہ

ہیں جن کے ساتھ ہمیں زندگی گزارنی ہے۔ اللہ تعالیٰ (المائدۃ 5:49) میں فرماتا ہے کہ اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک جیسا ہی پیدا کر دیتا لیکن اُن کو ایک دوسرے سے مختلف بنا کر وہ اُن کی آزمائش کرنا چاہتا ہے۔

قرآنِ کریم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے درمیان گروہوں یعنی انسانوں کے مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہونے کے عمل کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے اور زبانوں اور رنگوں کے اختلاف کو اپنی آیات میں سے قرار دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے:

۔۔وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ ۔۔ (الحجرات ۔ 49:14)	اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو
وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَ اَلْوَانِکُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ O (الروم ۔ 30:23)	اور اس کے نشانات میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کے اختلاف بھی۔ یقیناً اس میں عالموں کے لئے بہت سے نشانات ہیں۔

انبیاءؑ کے قائم کردہ فرقے:

سماجی، معاشی اور معاشرتی پہلوؤں میں فطری اور قدرتی اختلافات کو جاننے کے بعد جب ہم مذہبی تاریخ پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے پہلے تمام انسان، جن کی طرف انبیاءؑ مبعوث ہوتے ہیں، ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔ قومی اور معاشرتی اثر کے تحت وہ تمام لوگ ایک ہی طرح کے افعال کر رہے ہوتے ہیں اور ان کا کاروبارِ حیات ایک ہی ڈگر پر چل رہا ہوتا ہے۔ تب اُن کے درمیان ایک نبی مبعوث ہوتا ہے جو اُن کے status quo کو درہم برہم کرتے ہوئے اُنہیں اُن کی برائیوں کی طرف متوجہ کر کے انہیں دور کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ تب اُس مشترک دین اور اقدار و روایات رکھنے والی متحد قوم کے اندر ایک دراڑ پیدا ہو جاتی ہے اور اُس میں دو فرقے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک فرقہ اُس نبی کی دعوت پر لبیک کہتا ہے جبکہ دوسرا فرقہ اُس کا انکار کر کے اُس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ انسانوں میں قدرتی اور فطرتی فرقوں کے ساتھ ساتھ ایسے مذہبی فرقے بھی پائے جاتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی آمد سے اُن کی دعوت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ تمام مذہبی صحیفے بشمول قرآنِ کریم نہ صرف اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں بلکہ اسے عین حق قرار دیتے ہیں اور اس کی مذمّت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ --- (البقرة - 2:214)

تمام انسان ایک ہی امّت تھے۔ پس اللہ نے نبی مبعوث کئے اس حال میں کہ وہ بشارت دینے والے تھے اور انذار کرنے والے تھے۔ اور ان کے ساتھ حق پر مبنی ایک کتاب بھی نازل کی تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان امور پر فیصلہ کرے جن میں انہوں نے اختلاف کیا۔ اور اس (کتاب) میں اختلاف نہیں کیا مگر باہم بغاوت کی بناء پر انہی لوگوں نے، جنہیں وہ دی گئی تھی، بعد اس کے کہ کھلی کھلی نشانیاں ان کے پاس آچکی تھیں۔

یعنی انبیاء کے آنے سے پہلے تمام لوگ اُمّتِ واحدہ یعنی ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں اور بظاہر ان میں کوئی تمیز نہیں ہو سکتی اور پتہ نہیں چلتا کہ ان میں خبیث کون ہے اور طیّب کون۔ یہ معاملہ چونکہ دل سے تعلق رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو غیب پر مطلع نہیں کرتا کہ وہ کسی کے دل کی بات کو جاننے کا دعویٰ کرتے ہوئے اسے خبیث یا طیّب قرار دے لہٰذا ان کے درمیان ایک نبی مبعوث کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے علم پا کر طیّب لوگوں کو خبیث لوگوں سے الگ کر کے ان کا ایک گروہ تیار کرتا ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ---(آلِ عمران - 3:180)

اللہ ایسا نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ خبیث کو طیّب سے نتھار کر الگ کر دے۔ اور اللہ کی یہ سنّت نہیں کہ تم (سب) کو غیب پر مطلع کرے۔ بلکہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔

اس ضمن میں قرآنِ کریم میں ایک مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بیان فرمائی گئی کہ جب انہوں نے نبوّت کا دعویٰ فرمایا اور لوگوں کو اپنی طرف بلایا تو بنی اسرائیل میں دو گروہ بن گئے۔ ایک نے انہیں مان لیا اور دوسرے نے ان کا انکار کر دیا۔

...فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ

(الصّف - 61:15)

پس بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے انکار کر دیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ انبیاء کے ماننے والوں کو حزب اللہ یعنی اللہ کا گروہ اور منکرین کو حزب الشیطان قرار دیتا ہے۔

---اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ O (المجادلۃ ۔ 58:20)
خبردار! شیطان ہی کا گروہ ہے جو ضرور نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O (المجادلۃ ۔ 58:23)
خبردار! اللہ ہی کا گروہ ہے جو کامیاب ہونے والے لوگ ہیں۔

لفظ ''فرقہ'' کا صرفی نحوی تجزیہ:

اس لفظ کا مادہ ''ف ر ق'' ہے جس کے بنیادی معنی ہیں الگ الگ ہونا جیسے سر میں مانگ نکال کر بالوں کو الگ الگ کر دینا۔ کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ کفّار کا قرآنِ کریم پر ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ ''جُـمْـلَةً وَاحِدَةً'' کی شکل میں کیوں نازل نہیں ہوا (الفرقان 25:33) جس کا ایک جواب تو اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں یہ دیا کہ: ﴿لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا﴾ تا کہ ہم اس کے ذریعے تیرے دل کو ثبات عطا کریں اور (اسی طرح) ہم نے اسے بہت مستحکم اور سلیس بنایا ہے۔ جبکہ دوسری جگہ فرمایا:

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًاO (بنی اسرائیل ۔ 17:107)
اور قرآن وہ ہے کہ اسے ہم نے ٹکڑوں میں تقسیم کیا ہے تا کہ تُو اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور ہم نے اسے بڑی قوّت اور تدریج کے ساتھ اتارا ہے۔

یعنی قرآنِ کریم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا گیا تا کہ ایک تو رسول اللہ ﷺ پر بوجھ نہ بنے اور دوسرے لوگوں کو تدریجی طور پر احکامات ملتے رہیں۔ ''ف ر ق'' کے اس مادہ میں حق و باطل کو الگ الگ کر دینے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم کو فرقان کہا گیا ہے یعنی حق و باطل میں فرق کر کے دکھانے والا۔ اسی طرح سورہ الانفال (8:42) میں یوم بدر کو بھی یومِ فرقان کہا گیا۔

تَبٰرَکَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا O (الفرقان ۔ 25:2)
بس ایک وہی برکت والا ثابت ہوا جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تا کہ وہ سب جہانوں کے لئے ڈرانے والا بنے۔

بنی اسرائیل کی گئو پرستی سے بیزاری اور بریئت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے اپنے اور اپنے بھائی کے لئے فاسقوں کی قوم سے الگ قرار دیئے جانے کی دعا کرتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ O (المائدة ۔ 5:26)
اس نے کہا اے میرے ربّ! یقیناً میں کسی پر اختیار نہیں رکھتا سوائے اپنے نفس اور اپنے بھائی کے۔ پس ہمارے درمیان اور فاسق قوم کے درمیان فرق کر دے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے بنی اسرائیل اور اپنے اور اپنے بھائی کے درمیان فرق ڈالنے کی دعا کرتے ہیں وہاں حضرت ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل کو گئو پرستی سے سختی سے نہ روک سکنے کا یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ:

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاءِ يْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ (طٰہٰ ۔ 20: 95)

اس نے کہا اے میری ماں کے بیٹے! تُو میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑ۔ میں تو اس بات سے ڈر گیا کہ کہیں تُو یہ نہ کہے کہ تُو نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا اور میرے فیصلے کا انتظار نہ کیا۔

اس آیت کو قرآنی فکر کے نام نہاد علمبردار یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں کہ دیکھو حضرت ہارون علیہ السلام نے گئو پرستی برداشت کر لی لیکن بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈالنا پسند نہ کیا۔ ان کا فرقہ پرستی کے خلاف اس آیت سے استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ قرآنِ کریم کی رو سے تو دونوں باتیں شرک ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خدا کا نبی ایک شرک سے ڈر کر دوسرے شرک کو قبول کر لے۔ حضرت ہارون علیہ السلام دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطیع نبی تھے اور ہر کام میں ان کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے بنی اسرائیل میں بغاوت کے ڈر سے ان پر سختی نہیں کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منتظر رہے جنہوں نے طورِ سیناء سے واپس آ کر خدا کے حضور بنی اسرائیل کے گئو پرستی کے گناہ سے اپنی اور اپنے بھائی کی بریّت کا اظہار کیا۔ چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام خود براہِ راست مامور نہیں تھے اور نہ ہی قرآنِ کریم میں ایسی کوئی وضاحت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں براہِ راست کوئی وحی کی ہو اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں مومنین کو منکرین اور اطاعت گزاروں کو باغیوں سے جدا کرنے اور اُن کا ایک الگ گروہ بنانے کی سعی نہیں کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کرتے رہے کہ وہ آ کر خود کوئی قدم اٹھائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب واپس تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ تمام کے تمام بنی اسرائیل گئو پرستی میں مبتلا ہو چکے ہیں اور اُن کے اور حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا کوئی بھی حق پر قائم نہیں رہا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اُن کو اور اُن کے بھائی کو یعنی حضرت ہارون علیہ السلام کو دیگر قوم سے الگ شمار فرما۔ یعنی تب بنی اسرائیل میں دو فرقے بن گئے۔ ایک فرقہ میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیھما السلام تھے اور دوسرے فرقہ میں باقی تمام بنی اسرائیل کے افراد۔

مہاجرین اور انصار کے گروہ

قرآن کریم میں جہاں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام ''مسلمان'' رکھا ہے وہاں خود مسلمانوں کے اندر اُن کی امتیازی خصوصیات کو بیان کرنے کے لئے اُنہیں دوسرے ناموں سے بھی پکارا ہے۔ جیسے مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں مسلمان عورتوں کو

مہاجرات بھی کہاہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ (الممتحنۃ۔ 60:11)	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں مہاجر ہونے کی حالت میں آئیں تو اُن کا امتحان لے لیا کرو۔

اسی طرح مندرجہ ذیل آیات کے علاوہ دیگر چند آیات میں مومنین کو سابقون الاوّلون، مہاجرین اور انصار کے مختلف ناموں سے پکار کران کی شناخت کی گئی ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ --- (التوبۃ۔ 9:100)	اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت لے جانے والے اوّلین۔۔۔

ان ناموں سے بلائے جانے اور ذکر کئے جانے سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں میں کوئی فرقہ بندی پیدا کی جارہی ہے بلکہ یہ نام محض شناخت کے لئے رکھے گئے ہیں۔

مومنین ، منکرین اور منافقین کے گروہ:

ان قدرتی اور فطری تفرقات اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مومنین اور منکرین کے گروہوں میں فرق کے علاوہ خود مومنین کے درمیان بھی درجوں کا فرق پایا جاتا ہے۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ مومنین کے چار منعم علیہ گروہوں کا ذکر فرماتا ہے:

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ ۝ (النساء۔ 4:70)	اور جو بھی اللہ کی اور اِس رسول کی اطاعت کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یعنی) نبیوں میں سے، صدیقوں میں سے، شہیدوں میں سے اور صالحین میں سے۔ اور یہ بہت ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اسی طرح مومنین اور منافقین اور مومنین اور منکرین کو اُن کی صفات کے ذریعے بھی ایک دوسرے سے الگ الگ گروہ قرار دیا گیا ہے اور اندھے اور بینا، عالم اور جاہل، گھر میں بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے وغیرہ وغیرہ کی مثالیں بیان کر کے پوچھا گیا ہے کہ کیا یہ ایک دوسرے کے برابر ہو سکتے ہیں۔ طوالت کے خوف سے اُن تمام آیات کو یہاں نقل نہیں کیا جا رہا۔

کس نوعیت کی فرقہ واریت غلط ہے؟

یہاں پھر یہ سوال بجا طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سارے تفرقات اور اختلافات قدرتی اور فطری ہیں اور خود انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں تو پھر آخروہ کس طرح کی فرقہ واریت ہے جس کی مذمّت فرمائی گئی ہے بلکہ اسے شرک قرار دیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیا دین اورنئی شریعت لے کر آتے ہیں یا پہلے سے موجود لیکن گم شدہ سچّائی کو دوبارہ بحال کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں جونئی جماعت معرضِ وجود میں آتی ہے اور جو دین قائم ہوتا ہے اُس میں تفرقہ ڈالنا اور اس کی من مانی تشریحات کر کے اللہ تعالیٰ کی وحی والہام کے ماتحت یا اس کے ارادے سے نہیں بلکہ اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے نام پر جو اختلافات پیدا کئے جاتے ہیں اور گروہ بندیاں قائم کر کے دوسرے گروہوں کے افراد کو جو دین سے خارج قرار دیا جاتا ہے، وہ فرقہ واریت شرک اور قابلِ مذمّت ٹھہرائی گئی ہے۔

قرآنِ کریم میں گروہوں اور فرقوں کے لئے فرقہ؛ طائفہ،حزب اور شیعہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں لیکن جہاں ان کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف کی گئی ہے وہاں ان کی مذمّت نہیں کی گئی بلکہ انہیں دوسروں کے مقابلے میں کامیاب گروہ قرار دیا گیا ہے (المجادلۃ 58: 20, 23)؛ (الصّف 61:15) اور مسلمانوں کے ہر فرقہ سے کچھ لوگوں کو تحصیل علم کے لئے نکلنے کی ترغیب دی گئی ہے (التوبۃ 9:122) اور جہاں ان کی نسبت عام انسانوں کی طرف کی گئی ہے وہاں اس کی مذمّت کرتے ہوئے اُس سے منع فرمایا گیا ہے اور مومنین کو اللہ اور رسول کے ساتھ ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک طرف مسلمانوں کو "شیعہ" بننے یعنی گروہوں میں بٹنے سے منع فرمایا گیا ہے (الرّوم 30:33) جبکہ دوسری طرف حضرت ابراہیمؑ کو حضرت نوحؑ کے "شیعہ" یعنی گروہ میں سے قرار دیا گیا ہے۔ (الصّافات 37:84)

قابلِ مذمّت فرقہ واریت کی علامات:

قابلِ مذمّت اور شرک پر مبنی فرقہ واریت کی سب سے پہلی علامت یہ ہوتی ہے کہ اُس کی بنیاد نبی کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ اس کے بعد اُس کے ایسے پیروکاروں کے ہاتھ سے رکھی جاتی ہے جو اصل دین سے گمراہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس کی دوسری بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ اصل دین تو صلحِ کُل کا حامی ہوتا ہے اور تمام ادیان کے پیشواؤں کے احترام کا سبق دیتے ہوئے اور ان میں موجود سچائیوں کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اور اُن میں مشترک کلمات کی بنیاد پر اُن کو اتحاد کی دعوت دیتا ہے،

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ --- (الٰ عمران۔ 3:65)

تُو کہہ دے اے اہل کتاب! اس کلمہ کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔۔۔

جبکہ اس کے برعکس فرقہ پرست لوگ اپنے پاس موجود جزوی سچائی کو ہی مکمل دین وایمان سمجھ کر اُس پر خوش ہوتے رہتے ہیں،

---كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ O (الروم۔ 30:33)

ہر گروہ (والے) جو اُن کے پاس تھا اُس پر اترا رہے تھے

اور دوسرے فرقوں کی جزوی سچائی کو بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُسے مکمل کفر قرار دیتے ہیں:

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ ۖ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَىْءٍ ۙ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ-- (البقرة۔ 2:114)

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ (کی بنا) کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود (کی بنا) کسی چیز پر نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں۔

ایسی فرقہ واریت کی ایک اور اہم علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے اختلافات کے حل کے لئے کلام اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ انسانوں کی من گھڑت تشریحات کو کلام الٰہی پر فوقیت دیتے ہیں اور کلام اللہ سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جو لوگ کلام اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے بھی ہیں وہ بھی اس کے بعض حصّوں کو اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق نہ پا کر اسے لوگوں سے چھپا دیتے ہیں اور اس طرح عملی طور پر اس کے منکر بن جاتے ہیں گو اعتقادی طور پر اس کے ایک ایک حرف کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہوں۔ جب ایسے لوگوں کو کلام الٰہی کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور اُن کے درمیان اختلافات کو اس کتاب کی روشنی میں حل کرنے کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اُس سے منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ O (آلِ عمران۔ 3:24)

کیا تُو نے اُن کی طرف نظر نہیں دوڑائی جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا۔ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر بھی ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

اس فرقہ واریت کی ایک اور اہم علامت یہ بھی ہوتی ہے کہ کلام اللہ کو چھوڑ کر لوگ اپنے علماء ومشائخ کو اپنا پیشوا اور معبود بنا لیتے ہیں اور وہ انہیں دین کے نام پر جو بھی کہتے ہیں یہ آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ یہ علماء لوگوں کو مندرجہ ذیل چار غلط عقائد میں

الجھا کر اُنہیں راہِ حق سے ہٹا کر بہکا دیتے ہیں اور اپنی حکومت اُن پر قائم کر لیتے ہیں:

(1) وحی والہام کا دروازہ اب بالکل بند ہے اور اللہ تعالیٰ کسی سے بھی اب کلام نہیں کرتا:
(2) رسالت منقطع ہے اور اب کوئی نیا رسول نہیں آ سکتا:
(3) پرانا نبی آ سکتا ہے:
(4) ہمارے دور کا مدعی نبوّت سخت گمراہ انسان ہے۔

ان تمام تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں میں یہ فرقہ سازی اگر اللہ تعالیٰ اور اُس کے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ہو تو وہ ایک فطری اور احسن عمل ہے لیکن اگر وہی عمل انسانوں کی طرف سے کیا جائے تو وہ شرک اور قابلِ مذمّت بن جاتا ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور نبی مبعوث ہوئے تھے اس لئے آپ کی دعوت کے نتیجے میں جو ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' وجود میں آیا، جیسا کہ آپؑ نے 1901ء کی مردم شماری میں اپنی جماعت کا یہ نام رکھا، وہ سنّت اللہ اور سنّتِ انبیاء کے عین مطابق تھا جبکہ دوسرے مسلمان فرقے مثلاً شیعہ، سُنّی، وہابی، دیوبندی، بریلوی، چکڑالوی وغیرہ چونکہ انسانوں کے قائم کردہ ہیں اس لئے غیر قرآنی اور غیر اسلامی ہیں۔

جماعت احمدیہ دوسرے مسلمان فرقوں کی طرح افراط وتفریط کا شکار نہیں بلکہ دین کو اُس کی تمام جزئیات کے ساتھ مانتے ہوئے ایک متوازن راہ پر گامزن ہے۔ اُس میں نماز پڑھنے کے طریقوں اور فقہی اختلافات پر جھگڑے نہیں ہوتے۔ وہ جہاں خلفائے راشدینؓ کے اعلیٰ مرتبے کی قائل ہے اور تمام صحابہ کرامؓ کی عظمت وسعادت کی قائل ہے وہاں وہ حُبِّ اہل بیت کو بھی ایمان کی ایک کڑی قرار دیتی ہے۔ جیسا کہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است　　　خاکم نثارِ کوچہء آلِ محمدؐ است

وہ جہاں شخصی تقلید کی بجائے قرآن وسنّت کو دینِ اسلام کا ماخذ قرار دیتی ہے وہاں فقہائے اربعہؒ کی باتوں کو بھی ردّ نہیں کرتی بلکہ فقہ کے میدان میں ان کی قابل قدر کاوشوں کو اپنے لئے مینارۂ نور سمجھتی ہے اور جدید دور کے فقہی مسائل کے حل کے لئے انہیں بنیاد بناتی ہے۔ وہ جہاں شرک اور بدعت سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے خالص توحید کی قائل ہے وہاں حُبِّ رسول ﷺ اور اولیائے کرامؒ کی محبت وعزّت کو بھی اسلام اور ایمان کا ایک ناقابلِ تنسیخ معیار سمجھتی ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بزرگانِؒ دین اور اولیائے کرامؒ کے مقدس وجودوں کو اسلام کے زندہ مذہب ہونے کی ایک بھرپور علامت قرار دیا ہے۔ حدیث کو قرآن پر قاضی نہ سمجھنا اور ہر معاملے میں رہنمائی کے لئے قرآنِ کریم کو اوّلین مآخذ سمجھنا اور حدیثوں کو بطور ثبوت کے یقین رکھنا بھی جماعت احمدیہ کا ایک

خاص وصف ہے جو اسے قرآن وحدیث کے معاملے میں غلو کرنے والوں سے ممتاز کرتا ہے۔ یعنی جماعت احمدیہ نہ تو حدیثوں کا انکار کرتی ہے اور نہ ہی انہیں قرآن پر حجت قرار دیتی ہے۔ اسی طرح ناسخ ومنسوخ اور قتلِ مرتد جیسے معاملوں میں وہ اہلِ قرآن کے گروہ کی تائید کرتی ہے۔ ہجوم مسلمین میں سے ایک منظّم ومتحد جماعت کے قیام کی مثال سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل قول سے واضح ہوجاتی ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:

''انبیاء بھی قینچی کا کام کرتے ہیں۔ ایک طرف سے قطع کرتے ہیں اور دوسری طرف پیوست کرتے ہیں۔''
(ملفوظات جلد دوم صفحہ۔ 501۔ ناشر نظارت اشاعت، ربوہ، پاکستان)

ان تمام وضاحتوں سے یہ بات بخوبی ثابت ہوجاتی ہے کہ جماعتِ احمدیہ نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا بلکہ جس گروہ اور حزب نے بھی دین کا ایک جزو لے کر اسے کُل سمجھا ہوا ہے ان تمام اجزاء کو اکٹھا کرکے دینِ اسلام کو پھر سے یکجا کر دیا ہے۔ اس جماعت کے بانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور حکم عدل مسلمان فرقوں کے اختلافات ایسے فیصلے فرمائے ہیں جنہوں نے انسانوں کے پیدا کردہ تفرقات کو مٹا کر ایک الٰہی جماعت کے قیام کی راہیں ہموار کی ہیں۔ چنانچہ اس کے قیام سے لے کر آج تک مسلمانوں میں سے اس میں سُنّی بھی شامل ہورہے ہیں، شیعہ بھی، غیر مقلّد اہلحدیث حضرات بھی شامل ہورہے ہیں اور مقلّدین بھی۔ ایسی جماعت پر فرقہ بازی کا الزام کا باعث سوائے تعصّب اور جہالت کے اور کیا ہوسکتا ہے۔

خبیث اور طیّب کی تمیز

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ O (آل عمران۔ 3:180)

اللہ ایسا نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال میں چھوڑ دے جس پر تم ہو یہاں تک کہ خبیث کو طیب سے نتھار کر الگ کر دے۔ اور اللہ کی یہ سنت نہیں کہ تم (سب) کو غیب پر مطلع کرے۔ بلکہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہے چن لیتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

اس آیت کریمہ میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ مومن بھی بگڑ سکتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ ان میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوسکتے ہیں جو کہلاتے تو مومن ہیں لیکن اصل میں وہ خبیث فطرت ہوتے ہیں۔ ترمذی میں ایک

حدیث درج ہے جس کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا''

اس امت کے آخری زمانہ میں خسف ہوگا یعنی زمین میں آدمیوں اور مکانوں کا دھنس جانا، مسخ ہوجانا یعنی انسانوں کا انسانیت سے گر کر جانوروں کی نقالی کرنا اور قذف ہوگا یعنی آسمان سے پتھروں کا برسنا۔ کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم اس حالت میں بھی ہلاک ہوسکتے ہیں کہ ہم میں صلحاء موجود ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں جب خبیثوں کی کثرت ہوجائے'' (ترمذی ۔ کتاب الفتن)

دوسری بات اس آیت کریمہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے وقت میں جبکہ مومن کہلانے والوں میں خبیثوں کی کثرت ہوجائے، مومنوں سے لاتعلق نہیں رہتا بلکہ اپنی سنّت کے مطابق ایسے ماموروں کو مبعوث کرتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ علم غیب کے ذریعے مومنوں اور خبیثوں میں فرق بتادیتا ہے۔ یہ فرق اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ مومنین اس مامور کو مان کر اس کی جماعت میں شامل ہوجاتے ہیں جبکہ خبیث اس کا انکار کر کے اپنا خبیث ہونا ظاہر کردیتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ حدیث مجدد کی تائید کرتی ہے جس کو بعض لوگ ضعیف قرار دے کر اس سے انکار کردیتے ہیں۔ یہاں بھی وہی اصول بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی حالت سے لاپرواہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی حالت کی بہتری کیلئے اپنی سنت کے مطابق عمل کرتا رہتا ہے۔ اپنی اس سنت کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ جو مومنوں سے ہی خطاب کررہا ہے خود انہی مومنوں کو جو پہلے ہی صاحب ایمان ہیں ایک دفعہ پھر ایسے ماموروں پر ایمان لانے کو کہہ رہا ہے جو امت میں سے خبیث اور طیب کو الگ الگ کرنے کے مشن پر بھیجے جاتے ہیں۔

مجدّدین کے ذریعہ حفاظتِ اسلام

دوسری ضرورت اسلام کے نازل ہونے کے بعد پیدا ہوئی جب اس کی لفظی ومعنوی اور روحانی حفاظت کیلئے بھی مامورین کا ایک سلسلہ قائم کیا گیا جس کی خبر قرآن مجید کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے مندرجہ ذیل حدیث میں دی۔

اِنَّ اللّٰہ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الاُمَّۃِ عَلٰی رَاسِ کُلِّ مِائَۃِ مَن یُجدِد لَھَا دِینَھَا۔ (الجامع الصغیر ۔ صفحہ ۔ 115۔ بحوالہ ابوداؤد، المستدرک للحاکم و البیہقی عن ابی ہریرۃؓ)

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کیلئے ایسے لوگوں کو مبعوث کرتا رہیگا جو اس کیلئے اس کے دین کی تجدید کیا کرینگے

اس حدیث کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ تجدید دین کیلئے خود اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی کو مبعوث کرتا ہے نہ یہ کہ کوئی بھی زید بکر کھڑا ہو کر یہ کہنے لگتا ہے کہ مجھے اس امت کی بدحالی پر بہت ترس آرہا ہے لہذا میں نے اس کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے۔ یہ کام خدا کا

ہےاوراسی نے اسے اپنے ذمّے لے رکھا ہے۔ بہت سے لوگ اس حدیث کی صحت سے انکار کرتے ہیں لیکن یہ حدیث قرآن کریم کی تعلیم کے عین مطابق ہے اوراس سے متضاد ہونے کی بجائے اس کے موقف کو واضح کر کے پیش کرتی ہے۔ چنانچہ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ گذشتہ بارہ صدیوں کے مجدّ دین کی بابرکت شخصیات اور کارنامے اس حدیث کے مسلّمہ مصداق اور ثبوت ہیں۔

ہر سو سال کے بعد مجدد بھیجنے میں حکمت یہ ہے کہ ایک سو سال میں تین نسلیں پیدا ہو کر یا ختم ہو جاتی ہیں یا اختتام کے نزدیک ہوتی ہیں۔ ایک عام نفسیاتی اور سماجی مشاہدہ ہے کہ ہر اگلی نسل پچھلی نسل کو قدیم، فرسودہ اور بعض اوقات احمق سمجھتی ہے۔ شائستہ زبان میں کہا جاتا ہے کہ اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو۔ نوجوان اپنے والدین کے خیالات کو تو ہم پرستانہ اور جدید دور سے غیر مطابق قرار دے کر ترک کر دیتے ہیں جبکہ داداجان کے زمانے کو تو گویا پتھر کا زمانہ سمجھا جاتا ہے جس کے اصول وضوابط تو آج کے دور میں گویا بالکل ہی ناقابل عمل ہیں۔ نئی نسل کا یہ رویہ نہ صرف دنیاوی معاملات میں ہوتا ہے بلکہ دینی معاملات میں بھی ان کا یہی خیال ہوتا ہے کہ یہ قدیم داستانیں ہیں اور آج کے دور میں کوئی ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ نوجوان اپنے بزرگوں سے اکثر یہ کہتے سنے گئے ہیں کہ انسان چاند پر پہنچ گیا ہے اور آپ آج بھی صدیوں پرانی روایات کو دین سمجھ کر سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ ایک ایسا ناقابل تردید مشاہدہ ہے جو ہر اس جگہ پر بخوبی دیکھا جاسکتا ہے جہاں ذرا سی بھی ذہنی وفکری آزادی میسّر ہوتی ہے۔ گھٹے ہوئے تنگ اور جبری ماحول میں یہ خیالات سینوں میں پرورش پاتے رہتے ہیں اور مناسب موقع پاتے ہی اپنی جولانیاں دکھا دیتے ہیں۔

ایسی حالت میں یہ ازبس لازم ہے کہ ایسے وجود دنیا میں آتے رہیں جو اسلام کی آفاقی تعلیم کو پرانی داستانیں نہیں بلکہ دور حاضر کی حقیقتیں بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر سکیں اور ان کی صداقت منوا سکیں۔ اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خدا کی طرف سے ایسے مامورین نہ آئیں جو زمانے کی رَو سے متاثر ہو کر اس کے پیچھے نہ چلیں بلکہ ایک نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کریں اور اس کے ساتھ ساتھ فرقان کے معارف سے بکلّی آگاہ ہوں اور اس خزانے کو دنیا میں بانٹ بھی سکیں۔ حدیث کے اس تائیدی اور ضمنی ذکر کے بعد ہم پھر قرآن مجید کی طرف اپنا رخ موڑتے ہیں۔

نبوت کے جاری ہونے کے دلائل دیتے وقت یہ بتایا گیا تھا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ طبعی اور جسمانی مثالیں بیان فرما کر ہمیں سمجھاتا ہے کہ جس طرح بارش ہونے کے بعد مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے، فصلیں لہلہانے لگتی ہیں، درخت پھلدار ہو جاتے ہیں اور انسانوں کی جسمانی نشوونما کے سامان ہو جاتے ہیں اور لوگ ایک عرصہ تک ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد جب ایک لمبے عرصے تک بارش نہیں ہوتی تو زمین سوکھنے لگتی ہے، کنوئیں خشک ہو جاتے ہیں اور نہروں میں پانی ختم ہو جاتا ہے۔ لوگ آسمان کی طرف نظریں جمائے بارش کے منتظر ہوتے ہیں، خدا کے حضور دعائیں اور فریادیں کرتے ہیں تو پھر خدا کی رحمت جوش میں آتی ہے اور وہ ایک بار پھر پانی برساتا ہے اور مردہ زمین ایک دفعہ پھر زندہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح روحانی بارش کے بعد روحیں تروتازہ ہو جاتی ہیں، ایمان بڑھ جاتے ہیں اور روحانیت ترقی کر جاتی ہے۔ ایک عرصہ تک لوگ اس روحانی بارش کے نتیجے میں پیدا ہونے والے پھلوں سے

فیضیاب ہوتے ہیں۔لیکن پھر کلام الٰہی کے نزول کے ایک لمبے عرصے کے بعد دل سخت ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور اصل تعلیم کی جگہ نفسانی خواہشات کی پیروی شروع ہوجاتی ہے۔ماموزِ زمانہ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اور بعض نادانوں کا یہ خیال کہ گویا میں نے افتراء کے طور پر الہام کا دعویٰ کیا ہے غلط ہے بلکہ درحقیقت یہ کام اس قادر خدا کا ہے جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور اس جہان کو بنایا ہے۔جس زمانہ میں لوگوں کا ایمان خدا پر کم ہوجاتا ہے اس وقت میرے جیسا ایک انسان پیدا کیا جاتا ہے اور خدا اس سے ہمکلام ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اپنے عجائب کام دکھلاتا ہے۔یہاں تک کہ لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ خدا ہے۔میں عام اطلاع دیتا ہوں کہ کوئی انسان خواہ ایشیائی ہو خواہ یوروپین اگر میری صحبت میں رہے تو وہ ضرور کچھ عرصہ بعد میری ان باتوں کی سچائی کو معلوم کرلے گا'' (اشتہار واجب الاظہار ۔ مندرجہ کتاب البریّہ صفحہ 18، روحانی خزائن ۔ جلد۔ 13)

ظلمت سے نور کی طرف لانا

منکرینِ حدیث مندرجہ بالا حدیثِ مجدّد کا بھی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مبعوث نہیں ہوگا۔ان کے اس دعویٰ کی تردید قرآنِ کریم سے بھی ہوتی ہے جس میں اسی مضمون کو دوسرے رنگ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب بھی انسانیت گمراہی کا شکار ہوکر اندھیروں میں گھر جاتی ہے تو رؤف ورحیم خدا اپنے ایک منتخب بندہ پر آیات نازل کرتا ہے تاکہ وہ انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

(الحدید ۔ 10 :57)

وہی ہے جو اپنے بندے پر روشن آیات اتارتا ہے تاکہ وہ تمہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکال لے جائے اور یقیناً اللہ تم پر بہت مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

سورہ حدید کی اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ یہ کام اسلئے کرتا ہے کیونکہ وہ انسانوں کیلئے بہت زیادہ رؤف یعنی بیحد محبت کرنیوالا اور رحیم یعنی بار بار رحم کرنیوالا ہے۔وہ ایک دفعہ ہدایت نازل کرنے کے بعد انسانوں کو بھول نہیں جاتا بلکہ جب جب انسانیت اپنی ہی غلطیوں کے باعث پستی کا شکار ہوتی ہے تب تب وہ رؤف ورحیم خدا ایک بندہ منتخب کرکے اس کے ذمّے انسانوں کی ہدایت کا کام لگاتا ہے۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۔ (البقرۃ ۔ 258 :2)

اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

سورہ بقرہ کی اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ چونکہ مومنوں کا ولی اور ساتھی ہے اس لئے وہ انہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لانے کا کام کرتا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مومن بھی اندھیرے کا شکار ہو سکتے ہیں اور ان کو بھی روشنی میں لانے کیلئے ایک ماموز زمانہ کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

قرآن کا چھوڑ دیا جانا

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَاالْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا o (الفرقان ۔ 31 :25)

اور رسول کہے گا اے میرے رب! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر چھوڑا ہے۔

قرآن آنحضرتﷺ پر نازل کیا گیا اور آپ کی حیات مبارکہ میں ایسا کوئی دور نہیں آیا جب آپ کی امت نے قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا ہو لیکن احادیث میں اس بات کی تصریحات ملتی ہیں کہ مسلمانوں پر ایک ایسا وقت آئیگا جب اس قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا جائیگا۔ چنانچہ آنحضرتﷺ نے فرمایا،

لاَ یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلاَّ اِسْمُہٗ وَلاَ یَبْقٰی مِنَ الْقُرْآنِ اِلاَّ رَسْمُہٗ۔ (مشکوٰۃ ۔ کتاب العلم)

یعنی اسلام کا صرف نام باقی رہ جائیگا اور قرآن صرف رسمی طور پر باقی رہیگا۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، بزرگان امت، علمائے ربّانی، دانشوروں، شاعروں اور ادیبوں کی تحریروں میں بکثرت اس امر کی شہادتیں پائی جاتی ہیں کہ یہی وہ دور ہے جس میں اسلام صرف نام کا باقی ہے اور قرآن صرف عربی الفاظ میں پڑھنے، جھوٹی قسمیں کھانے اور تفرقہ بازی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

جسطرح آنحضرتﷺ کے زمانہ میں یہود و نصاریٰ نے آنحضرتﷺ کا انکار کرنے کی خاطر، باوجود اس کے کہ آپ تورات اور انجیل کی تصدیق فرماتے تھے، اپنی کتاب کی تعلیم کو نظر انداز کر دیا اور دوسرے ہتھکنڈوں سے آپ کا مقابلہ کرنا چاہا، اسی طرح آج کے زمانہ کے مثیل یہود و نصاریٰ مسلمان علماء نے قرآن کریم کی تعلیمات کو بالکل فراموش کر کے، باوجود اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن و حدیث کی تصدیق فرماتے تھے، آپ کی مخالفت میں کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے مطابق فیصلہ

کرنے سے صاف انکار کر دیا اور ایسے بن گئے جیسے اس کتاب کے مندرجات کو جانتے ہی نہیں۔ چونکہ یہ علماء اچھی طرح جانتے ہیں کہ کتاب وسنّت کے تمام حوالہ جات جماعت احمدیہ کی تائید کرتے ہیں اس لئے انہوں نے عوام کو سختی سے منع کر رکھا ہے کہ احمدیوں کے ساتھ گفتگو میں قرآن وحدیث کو بنیاد ہرگز نہیں بنانا اور یہ کہنا کہ تم تو غیر مسلم ہو تمہارا قرآن وحدیث سے کیا تعلق ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ اس طرح بیان فرماتا ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ ۔ 102 :2)

اور جب بھی ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول آیا جو اس کی تصدیق کرنے والا تھا جو ان کے پاس تھا تو ان میں سے ایک گروہ نے جنہیں کتاب دی گئی تھی اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا، گویا وہ علم ہی نہ رکھتے ہوں۔

امام مہدیؑ کے ذریعہ غلبہ اسلام

هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○ (الفتح ۔ 29 :48)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے دین (کے ہر شعبہ) پر کلیۃً غالب کر دے۔ اور گواہ کے طور پر اللہ بہت کافی ہے۔

بانی سلسلہ احمدیہ سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ مہدویت پر اس دور میں ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ احادیث میں تو امام مہدی علیہ السلام کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کی عالمگیر اور کامل فتح کی خوشخبری دی گئی ہے جبکہ مرزا صاحب آ کر چلے بھی گئے لیکن اسلام کے عالمی غلبہ کا خواب ابھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوا۔ یہ اعتراض بھی دیگر اعتراضات کی طرح اسلامی تعلیم سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ اصول دین میں یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ پیشگوئیوں میں جس شخص کا نام لیا جاتا ہے وہ مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کی صفات کا حامل یا اس کا کوئی نمائندہ ہوتا ہے جو اسی مذکورہ شخص کے پیغام کو ہی آگے بڑھا رہا ہوتا ہے۔ بائبل میں موجود کوہ فاران سے جلوہ گر ہونے کی جس پیشگوئی کو آنحضرت ﷺ پر چسپاں کیا جاتا ہے اس میں کسی انسان کے نہیں بلکہ خدا کے ظہور کی خبر دی گئی ہے لیکن تمام مسلمان علماء خدا کے ظہور سے مراد نبی اکرم ﷺ کا ظہور ہی مراد لیتے ہیں۔ قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ رسولوں کا کام صرف پیغام کو کھول کھول کر پہنچانا ہوتا ہے۔ مثلاً

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ (المائدۃ ۔ 100 :5)

رسول پر اچھی طرح پیغام پہنچانے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں۔

لیکن اس کا غلبہ ہمیشہ ان کے پیروکاروں کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ارض مقدس کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن وہ اس کی سرحد پر پہنچ کر فوت ہوگئے اور ان کے بعد ان کی قوم اس میں داخل ہوئی۔ قیصر و کسریٰ کے جن محلات و خزائن کے ملنے کی بشارت نبی اکرم ﷺ کو دی گئی تھی وہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کو عطا ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''مجھے جوامع الکلام کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اور رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے اور میں سویا ہوا تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں میرے پاس لائی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں۔'' حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ تو جا چکے اور اب تم انہیں نکال رہے ہو۔ (بخاری ۔ کتاب الجهاد)

آنحضرت ﷺ نے اسلام کا پیغام لوگوں تک کھول کھول کر پہنچا دیا اور آپؐ کے صحابہؓ نے اس بات کی گواہی بھی دی، لیکن جہاں تک غلبہ اسلام کا تعلق ہے وہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جزوی طور پر آپؐ کے صحابہؓ اور کامل طور پر آخری زمانہ میں امام مہدی کے ذریعے ہونا مقدّر تھا جس طرح آنحضرت ﷺ سے وعدہ کئے گئے خزانے آپؐ کے صحابہؓ کو ملے اسی طرح آخری عالمگیر غلبہ جو امام مہدی و مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ کیا گیا ہے وہ انشاء اللہ العزیز بتوفیق ربّانی آپؑ کی جماعت کے ہاتھوں عمل میں آئے گا۔

حفاظت اسلام

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ☆ (الحجر ۔ 15:10)

یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اسی نے اس ذکر یعنی قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور وہی اس کی حفاظت کریگا۔ سیدھی سی بات ہے کہ قرآن مجید آسمان سے براہ راست لوگوں پر نہیں اترا بلکہ رسول پاک ﷺ کے قلب مطہر پر نازل ہو کر ہم تک پہنچا۔ چنانچہ اس کی حفاظت بھی رسول پاک ﷺ کے غلاموں کے ذریعے ہی ہوگی جو ہر دور میں نمودار ہو کر اس کے معارف بیان کریں گے اور اس پر عمل پیرا ہو کر اس کا قابل عمل ہونا ثابت کر کے ہمارے لئے اسوہ بنتے رہیں گے۔ ہزاروں لاکھوں حفّاظ کے ذریعے قرآن کریم کی لفظی حفاظت کے ساتھ ساتھ ہر صدی میں ایسے مجددین پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اس کی روحانی حفاظت بھی کی اور اسلام کی حقیقی تعلیم کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہوئے اس دور تک پیدا ہونے والی بدعات اور شرکیہ عقائد و رسوم کے خلاف جہاد کیا۔ عبّاسی دور کے فتنہ خلق قرآن سے لے کر دور اکبری کے الحاد تک ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے برگزیدہ وجود پیدا ہوتے رہے جنہوں نے قرآن، سنّت اور حدیث کی بے لوث خدمت کی اور لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر عوام النّاس اور ریاستی ظلم و جبر سے بے خوف ہو کر بادشاہوں اور

امراء کوحق کا راستہ دکھاتے رہے۔

اسلامی تاریخ کے ان سنہری اوراق سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے پچھلے ادوار میں اسلام کو تنہا نہیں چھوڑا اور ہر دم اس کی لفظی و معنوی حفاظت فرمائی اسی طرح اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اسے تنہا نہیں چھوڑے گا اور اپنی جناب سے ایسے وجود پیدا کرتا رہے گا جو اسلام کو لوگوں کی خود ساختہ اور دین کا درجہ دی جانے والی رسوم و بدعات سے پاک کر کے حقیقی تعلیم کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔ چنانچہ اسی خدائی وعدے کو پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس دور میں سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا جنہوں نے اسلام کے حسین چہرے پر اپنوں اور غیروں کے ہاتھوں سے لگائی ہوئی گرد کو صاف کر کے اسے اس کی اصل شکل میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور لوگوں کو اس ذکر یعنی قرآن کریم کی طرف بلایا جسے عوام کے ساتھ ساتھ علماء بھی فراموش کر چکے تھے۔

سوال نمبر ۔ 3

خبرِ نبوّت

نبوت کے جاری ہونے اور ضرورت زمانہ ثابت ہونے کے بعد اب اگلا مرحلہ آتا ہے اس بات کی تصدیق کا اور بالفاظ دیگر **سوال نمبر۔۳** کے جواب کا کہ کیا قرآن مجید میں امام زمانہ کے نزول کی خبر دی گئی ہے یا نہیں۔ اس امر کے ثبوت میں مندرجہ ذیل قرآنی آیات پیش ہیں۔

مومنین پر احسان

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ (آل عمران ۔ 3: 165)

یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب اس نے ان کے اندر انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔

سورہ آل عمران کی اس مندرجہ بالا آیت کریمہ میں ایک ایسے رسول کی بعثت کی خبر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بطور احسان مبعوث فرمایا۔ یعنی جن کے درمیان اس رسول کو بطور احسان مبعوث فرمایا گیا وہ پہلے ہی مومنین تھے اگر چہ کھلی کھلی گمراہی میں بھی تھے۔ اس سے ملتی جلتی آیت کریمہ سورہ جمعہ میں بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ (الجمعة ۔ 3 :62)

وہی ہے جس نے امّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔

ان دونوں آیات میں فرق یہ ہے کہ سورہ جمعہ کی آیت میں جس رسول کی بعثت کی خبر ہے وہ امّیوں میں مبعوث کیا گیا جبکہ سورہ آل عمران کی آیت میں ایک ایسے رسول کا ذکر ہے جو مومنوں میں مبعوث کیا گیا ہے۔ دوسرا اہم فرق یہ ہے کہ سورہ جمعہ کی آیت میں جس رسول کا ذکر ہے اس کا تعلق اُمّیّن کے ساتھ ''مِنْهُمْ''، یعنی انہی میں سے کہہ کر ظاہر کیا گیا ہے جبکہ سورہ آل عمران کی آیت میں مذکور رسول کا تعلق مومنین کے ساتھ '' مِنْ اَنْفُسِهِمْ '' یعنی انکی جانوں میں سے کہہ کر ظاہر کیا گیا ہے۔ مِنْهُمْ اور مِنْ اَنْفُسِهِمْ کا یہ فرق ظاہر کرتا ہے کہ مِنْهُمْ والا رسول امیین کی قوم سے تو تعلق رکھتا ہے لیکن ان کے دین و مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں جبکہ مِنْ اَنْفُسِهِمْ والا رسول نہ صرف مومنین کی قوم سے بلکہ ان کے دین و مذہب سے بھی تعلق رکھتا ہے۔

ان تشریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورہ جمعہ کی آیت میں نبی اکرم ﷺ کی جبکہ سورہ آل عمران کی آیت میں اُمّتِ محمدیہ میں ایک رسول کی بعثت کا ذکر ہے۔آنحضرت ﷺ مکہ والوں سے قومی تعلق رکھتے تھے اور ان کے شرک و بت پرستی سے ہمیشہ دور رہے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ صرف ہندوستانی قوم سے تعلق رکھتے تھے بلکہ مبعوث ہونے تک انہی کے عقائد پر قائم تھے۔ یہاں تک کہ براہین احمدیہ میں آپؑ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر زندہ ہونے کے رسمی عقیدہ کو اپنا عقیدہ ظاہر کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا گواہ

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ (ھود۔ 18 :11)

پس کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہے اور اس کے پیچھے اس کا ایک گواہ آنے والا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بطور امام اور رحمت موجود ہے (وہ جھوٹا ہوسکتا ہے؟)

سورہ ھود کی یہ آیت ایک ایسے گواہ کے آنے کی خبر دے رہی ہے جو آنحضرت ﷺ کے غلاموں میں سے ہوگا اور ایک ایسے دور میں آپؐ کی صداقت کی گواہی دیگا جب آپؐ کی صداقت دنیا پر مشتبہ ہو چکی ہوگی۔آنحضرت ﷺ سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب اور آپؐ کے بعد ایک گواہ کے آنے کی خبر کو آنحضرت ﷺ کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ یہ نبی جھوٹا کیسے ہوسکتا ہے جس سے پہلے موسیٰ کی کتاب اس کی نشانیاں بیان کر چکی ہو اور اس کے بعد اس کی صداقت کا ایک گواہ آنے والا ہو۔سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ایسے پُرفتن دور میں مبعوث ہوئے جب سادات تک اسلام کو ترک کر کے یا تو دہریہ بن گئے یا عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ گواہی تبھی مانی جاتی ہے جب گواہ کا اپنا کردار پاکیزہ ہو اور اس کی زندگی صدق وصفا سے پر ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس امر کی وہ گواہی دے رہا ہے وہ اس کی آنکھوں دیکھی بات ہو۔آج چاہے اربوں لوگ آنحضرت ﷺ کی صداقت کی گواہی دیتے رہیں لیکن ان کی گواہی کی بنیاد ان کی رویئت نہیں بلکہ ان کا ایمان ہے جس میں یہودی، عیسائی اور دوسرے مذاہب والے اپنے اپنے پیغمبروں پر ان کے برابر ایمان رکھنے کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ لیکن سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی ایک پیدائشی ایمان والی گواہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے جانے والی بصیرت، وحی، الہام اور کشوف پر مبنی تھی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ سورہ یوسف کی آیت۔109 میں یہ کہنے کا ارشاد فرماتا ہے (**عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِىْ**) کہ میں بصیرت پر ہوں اور وہ بھی جس نے میری پیروی کی۔اسی بصیرت کی بناء پر آپؑ نے تمام مذاہب کے سرکردہ لوگوں کو چیلنج پیش کیا کہ اگر تمہارے پاس اپنے اپنے مذاہب کے پیغمبروں کے متعلق اس نوعیت کی فعلی اور حالی شہادت موجود ہے تو لاؤ اور اپنے اپنے عقیدے کی صداقت ثابت کرو لیکن کسی کو اس مقابلے کی جرأت نہ ہوئی۔

اسمه احمد

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ O (الصف ۔ 7 :61)

اور (یاد کرو) جب عیسٰی بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! یقیناً میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اس کی تصدیق کرتا ہوا آیا ہوں جو تورات میں سے میرے سامنے ہے اور ایک عظیم رسول کی خوشخبری دیتے ہوئے جو میرے بعد آئیگا جس کا نام احمد ہوگا۔ پس جب وہ کھلے نشانوں کے ساتھ ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا یہ تو ایک کھلا کھلا جادو ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت عیسٰیؑ کی زبانی ایک ایسے رسول کی آمد کی خبر دی گئی ہے جس کا نام احمد ہوگا۔ اس رسول سے مراد آنخضرتﷺ لئے جاتے ہیں جو غلط بھی نہیں ہے لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ آنخضرتﷺ کا نام احمد نہیں بلکہ محمدؐ تھا۔ احمد نبی اکرمﷺ کی صفت تھی اور اس صفت کا کامل ظہور مسیح موعود علیہ السلام میں ہونا لازم تھا۔ لہذا اس آیت کریمہ میں بلا واسطہ نبی اکرمﷺ مراد ہیں جبکہ ان کے واسطے سے ان کا کامل عکس اور بروز ہونے کی حیثیت سے بالواسطہ طور پر سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں۔ اگر نبی اکرمﷺ احمد نہ ہوں تو حضرت مسیح موعود احمد کیسے ہو سکتے ہیں۔ عکس وہی کچھ دکھائیگا جو اصل میں ہوگا۔ اگر اصل میں کسی خوبی کا فقدان ہوگا تو عکس بھی اس خوبی سے محروم ہوگا۔ یہ آنخضرت ﷺ کی شان احمدیت ہی ہے جو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پیشگوئی کی کہ آنے والے کا نام احمد ہوگا تو محمدﷺ تشریف لے آئے اور جب نبی اکرمﷺ نے پیشگوئی فرمائی کہ اب جو آئے گا اس کا نام میرا نام ہوگا یعنی محمدﷺ تو احمد یعنی مسیح موعود علیہ السلام تشریف لے آئے۔

اس آیت کریمہ میں احمد سے مراد مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس سے اگلی آیت میں یہ کہا گیا کہ اسے اسلام کی طرف بلایا جائیگا۔ آنخضرتﷺ تو خود لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے تھے۔ لیکن آج کے دور میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کی جماعت کو اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تم لوگ کلمہ پڑھنے کے باوجود غیر مسلم ہو لہذا ہماری بتائی ہوئی تشریح کے مطابق اسلام قبول کرلو۔

آخرین میں بعثت

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ٥ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَ هُوَ الْعَزِیْزُالْحَكِیْمُ ٥ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ۭ وَ اللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ٥ (الجمعة ۔ 5-3 :62)

وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ وہ ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ یقیناً کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔ اور انہی میں سے دوسروں کی طرف بھی (اسے مبعوث کیا ہے) جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ وہ کامل غلبہ والا (اور) صاحب حکمت ہے۔

سورہ صف میں احمد نام کے ایک رسول کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ سورۃ جمعہ میں اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا ذکر ہے کہ جس احمد کے آنے کی حضرت عیسٰیؑ نے خوشخبری دی تھی اس کا ایک ظہور ان پڑھ مکہ والوں میں ہوا اور پھر اس کے بعد اس کا ایک اور ظہور آخری زمانہ میں ہوگا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ اسی طریق پر ہوگی جس طریق پر پہلے دور میں ہوئی تھی۔ اس آیت کی یہ تفسیر خود آنحضرت ﷺ نے فرمائی۔ بخاری کتاب التفسیر میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ دوسرے لوگ کون ہیں۔ آنحضورؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہی سوال تین مرتبہ کیا گیا۔ مجلس میں سلمان فارسیؓ بھی تھے۔ آنحضورؐ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اگر ایمان ثریا پر بھی ہوگا تو ان کی قوم کے کچھ لوگ یا (آنحضورؐ نے فرمایا) کہ ایک شخص اسے پالے گا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ دور آخرین میں آنحضرت ﷺ کا ایک بروز کامل پیدا ہوگا جو فارسی قوم میں سے ہوگا اور ایمان کو انسانی دسترس سے مبالغے کی حد تک باہر ہونے کے باوجود اسے حاصل کرلیگا اور اسے ایکبار پھر زمین پر قائم کردیگا۔ چنانچہ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں یہ پیشگوئی پوری ہوئی جو قوم فارس سے تعلق رکھتے تھے۔

قلم سے جہاد

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ٥ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ٥ (القلم ۔ 3-2 :68)

ن۔ قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں۔ تُو اپنے رب کی نعمت کے طفیل مجنون نہیں ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قلم اور اس سے لکھی جانے والی تحریر کی قسم کھائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے رب کے فضل سے ایک صحیح الدماغ شخص ہیں اور آپؐ کو کوئی ذہنی عارضہ لاحق نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں آنحضرت ﷺ کے متعلق ایسی تحریریں شائع ہوں گی جن میں آپؐ کو نعوذ باللہ مجنون اور ذہنی مریض بتایا جائے گا لیکن پھر قلم کے ذریعے ہی ان الزامات کی تردید کی جائیگی اور یہ ثابت کیا جائیگا کہ آپؐ نعوذ باللہ من ذٰلک مجنون نہیں بلکہ انسان کامل تھے۔ یہ خبر بھی سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے پوری ہوئی جب آپؑ نے اپنی تحریروں کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی ارفع شان اور عظمت کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور بدرجہ کمال ثابت کیا۔

مجددین، شاہد و مشہود

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ٥ وَ الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ٥ وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ٥ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ٥ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ٥ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ٥ وَّ هُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ٥ وَ مَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ٥ (البروج ۔ 9-2 :85)

قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی، اور موعود دن کی، اور ایک گواہی دینے والے کی اور اس کی جس کی گواہی دی جائیگی۔ ہلاک کر دیئے جائینگے کھائیوں والے۔ یعنی اس آگ والے جو بہت ایندھن والی ہے۔ جب وہ اس کے گرد بیٹھے ہونگے۔ اور وہ اس پر گواہ ہونگے جو وہ مومنوں سے کریں گے۔ اور وہ ان سے پرخاش نہیں رکھتے مگر اس بناء پر کہ وہ اللہ، کامل غلبہ رکھنے والے، صاحب حمد پر ایمان لے آئے۔

ان آیات میں بُرجوں سے مراد امت محمدیہ کے بارہ مجددین ہیں جو ہر صدی کے سر پر ظاہر ہوئے۔ پھر یوم موعود کا ذکر ہے جس میں امام مہدی ظاہر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی صداقت کی گواہی دی جیسا کہ سورہ ھود میں بھی ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایک شاہد ظاہر ہوگا۔ آیات 5 تا 9 میں ان لوگوں کی ہلاکت کی پیشگوئی ہے جنہوں نے کھائیوں میں آگ جلائی اور مومنین کو اس میں پھینک کر تماشا دیکھتے رہے۔ اس میں یہ پیشگوئی بھی مضمر ہے کہ اُس زمانہ میں بھی ایسا ہوگا۔ چنانچہ مظلوم احمدیوں کے گھروں اور کاروباروں کو آگ لگائی جاتی ہے، انہیں ظُلم و تشدّد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور لوگ کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ ان آیات میں بتایا گیا ہے، یہ ظُلم وستم محض اس بات پر ہوتا ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے افراد مُلّا کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰه ماننے اور اس کی من مانی تشریحات کے آگے سر جھکانے کی بجائے صاحبِ عزّت و حمد خدا پر ایمان رکھنے کا اعلان کرتے ہیں۔

کیا امام مہدیؑ کا ذکر قرآن مجید میں ہے؟

بہت سے لوگ یہ اعتراض اٹھانے لگے ہیں کہ امام مہدی کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اس لئے ہمیں کسی امام مہدی کے آنے کا عقیدہ نہیں رکھنا چاہئے۔ یہ غلط فہمی اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ امام مہدی کو انبیاء سے الگ ایک شخصیت سمجھتے ہیں۔قرآن کریم پر تدبر سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کو ہی اللہ تعالیٰ امام اور امام مہدی کے نام سے پکارتا ہے۔اور انہیں منصب نبوت کے ساتھ ساتھ منصب امامت بھی عطا کرتا ہے۔جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس آیت میں امام بنانے کا اعلان کیا۔

وَ اِذِبْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَO (البقرۃ ۔ 125 :2)

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے بعض کلمات سے آزمایا اور اس نے ان سب کو پورا کر دیا تو اس نے کہا میں یقیناً تجھے لوگوں کیلئے ایک عظیم امام بنانے والا ہوں۔اس نے عرض کیا اور میری ذریّت سے بھی۔اس نے کہا (ہاں مگر) ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچے گا۔

اسی طرح مندرجہ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ حضرت لوط، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیائے بنی اسرائیل کو امام مہدی کہہ کر پکارتا ہے

وَ جَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا --- (الانبیاء ۔ 74 :21)

اور ہم نے انہیں ایسے امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے۔

وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّۃً یَھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا--- (السجدۃ ۔ 25 :32)

اور ہم نے ان میں ایسے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے

قرآن کریم کی ان واضح تصریحات کے علاوہ ابن ماجہ کی حدیث ”لَاالْمَھْدِیْ اِلاَّ عِیْسٰی“ اور مسند امام احمد بن حنبل کی حدیث ”یُوْشَکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَّلْقیٰ عِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَّھْدِیاً حَکَمًا عَدَلًا“ کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ امام مہدی اور مسیح موعود، جو کہ ایک نبی ہے، ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔

سوال نمبر ۔ 4

قرآنی معیارِ نبوّت

امکان نبوت،ضرورت زمانہ اور پھر ایک مامور زمانہ کے آنے کی خبر قرآن مجید سے ثابت کرنے کے بعد اب ہم چوتھے سوال کا جواب قرآن پاک سے تلاش کرتے ہیں کہ اگر ہر کس و ناکس کھڑا ہو کر یہ دعویٰ کردے کہ میں ہی وہ موعود امام اور مصلح ہوں تو وہ کونسا قرآنی معیار ہے جس کی بناء پر ہم جھوٹے اور سچے کا فرق جان سکیں۔ الحمدللہ کہ قرآن پاک اس معاملے میں بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے اور مندرجہ ذیل معیارات ہمارے سامنے رکھتا ہے جن پر ہم کسی بھی مدعی نبوّت کی صداقت پرکھ سکتے ہیں۔

کیادعویٰ نبوّت کی صداقت طلب کرنا کفر ہے؟

علماء نے اس خوف سے کہ کہیں لوگ قرآن پاک کی طرف رجوع کر کے سچے امام مہدی کو مان ہی نہ لیں اور اُن کی دکانداری چوپٹ نہ ہو جائے، لوگوں کو یہ باور کرادیا ہے کہ اب کسی مدعی سے اس کی صداقت کے بارے میں پوچھنا اور اس کے متعلق تحقیق کرنا بھی کفر ہے چہ جائیکہ اس پر ایمان لایا جائے۔ قرآن کریم اس بات کی تردید اس طرح فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ O (سبا ۔ 34:47)

تو کہہ دے کہ میں محض تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم دو دو اور ایک ایک کر کے اللہ کی خاطر کھڑے ہو جاؤ پھر خوب غور کرو کہ تمہارے ساتھی کو کوئی جنون نہیں۔ وہ تو محض ایک سخت عذاب سے پہلے تمہیں ڈرانے والا (بن کر آیا) ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سنّتِ مبارکہ بھی اس عقیدے کے خلاف ثبوت فراہم کر رہی ہے۔ آپؐ خود چل کر ابنِ صیّاد کے پاس گئے اور اس کے دعویٰ الہام و نبوّت کے متعلق اس سے گفتگو فرمائی۔ ہم بھی اپنے مسلمان بھائیوں سے درخواست کرتے ہیں قرآن کریم کی اس واضح نصیحت اور نبی اکرم ﷺ کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے پر عمل کرتے ہوئے سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ پر غور فرمائیں اور قرآنی معیاروں پر اُن کے دعویٰ کو پرکھ کر ان کی جماعت میں شامل ہونے کی سعادت پائیں۔

قرآنی معیاراتِ صداقت

قرآن کریم نے ایک سچے مدعی نبوت کی صداقت کے مندرجہ ذیل معیارات بیان فرمائے ہیں:

(1) اس کی دعویٰ سے پہلی زندگی پاک ہوتی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیتے ہیں (سورہ یونس۔ 10:17)

(2) دعویٰ سے پہلے وہ قوم کی امیدوں کا مرکز ہوتا ہے اور قوم نے اس سے بڑی توقعات وابستہ کی ہوتی ہیں۔
(سورہ ھود63: 11)

(3) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے غیب کی خبریں ملتی رہتی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہوتی ہیں۔
(سورہ جن . 72:27,28)

(4) اگر وہ جھوٹا دعویٰ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔(سورہ الحاقہ. 49-69:45،
سورہ الشوریٰ 42:25، سورہ ھود 11:36، سورہ المومن .40:29)

(5) اس کی تعلیم خود پرستی اور شرک والی نہیں بلکہ ربّانی بنانے والی ہوتی ہے۔ (سورہ آل عمران .3:80, 81)

(6) اس کے ساتھ غلبہ کا وعدہ ہوتا ہے اور وہ اپنے دشمنوں کے مقابل پر ہمیشہ کامیاب ہوتا ہے۔
(سورہ المجادلہ.58:22، سورہ الصّٰفّٰت .174-37:172، الاحقاف 46:33)

(7) اس کے منکرین ومخالفین سابقہ انبیاء علیہم السلام کے منکرین ومخالفین جیسی ہی باتیں اور اعتراضات کرتے ہیں۔
(سورہ البقرہ. 2:119 , سورہ حٰم سجدہ .: 41:44) مثلاً

(ب) اپنے علماء کو اس پر ترجیح دیتے ہیں
(سورہ الزّخرف. 59 ,58 ,43:32)

(ج) اس سے پہلے رسولوں کی طرح کے نشانات طلب کرتے ہیں
(سورہ الانعام. 6:125)

(د) ہر نئے ذکر سے اعراض کرتے ہیں
(الانبیاء. 21:3، سورہ الشعراء. 26:6)

(ھ) اپنے درمیان ایک نبی ظاہر ہونے پر تعجب کرتے ہیں،
(سورہ یونس. 3 :10 سورہ الاعراف 7:64)

(و) الٰہی نور کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں (سورہ الصف :61:9)

(ز) اسے کہتے ہیں کہ یا ملک چھوڑ دو یا عقیدہ چھوڑ دو
(سورہ ابراھیم 14:14)

(ح) اسے غیر قوم کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں۔(سورہ الفرقان :6 ,25:5)

(ت) کتاب اللہ کو حکم بنانے سے انکار کر دیتے ہیں۔(البقرہ 2:102،
آل عمران 3:24)

سوال نمبر ۔ ۵

معیارِ نبوّت اور

حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام

اس باب میں ہم پانچویں اور آخری سوال کے جواب میں ان مندرجہ بالا معیارات کو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت وحیات مبارکہ پر چسپاں کر کے دیکھتے ہیں کہ وہ ان قرآنی معیارات کے مطابق سچے نبی ثابت ہوتے ہیں یا نہیں۔

دعویٰ سے پہلی زندگی

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O (یونس - 10:17)

تو کہہ دے اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ (اللہ) تمہیں اس پر مطلع کرتا۔ پس میں اس (رسالت) سے پہلے بھی تمہارے درمیان ایک لمبی عمر گزار چکا ہوں تو کیا تم عقل نہیں کرتے؟

ان آیات میں مدعی نبوت کی صداقت کے دو معیار بیان کئے گئے ہیں۔ ایک میں انسانوں کی عقل کو چیلنج کیا گیا ہے اور دوسرے میں سنت اللہ اور تاریخ کو بطور شہادت پیش کیا گیا ہے۔ عقلی دلیل کے طور پر مدعی نبوت کی دعویٰ سے پہلے کی زندگی اس کی سچائی کے طور پر پیش کی گئی ہے کہ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے کہ یہ شخص جو تمہارے اندر تمام سچوں سے بڑھ کر سچا مشہور ہے اور جس نے آج تک کبھی کسی انسان پر بھی جھوٹ نہیں بولا کیسے ہوسکتا ہے کہ آج یکدم خدا پر جھوٹ بولنا شروع کر دے۔ جب آنحضرتﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر مکہ والوں کو پکارا تو اپنا دعویٰ پیش کرنے سے پہلے ان سے یہ پوچھا کہ میں اگر یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے کیلئے تیار کھڑا ہے تو کیا تم مان لو گے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ یہ بات ناقابل یقین ہے لیکن اگر تم یہ عجیب بات کہو گے تو ہم اسے مان لیں گے کیوں کہ ہم نے آج تک تمہاری زبان سے کبھی کوئی غلط بات نہیں سنی۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی زندگی بھی سچی نبوت کے اس معیار پر پوری اترتی ہے۔ علاّمہ سیّد میر حسن، مولوی سراج علی خان اور دیگر بہت سے لوگوں کے ساتھ ساتھ آپؑ کے مخالفین کی بھی شہادت ہے کہ آپؑ نوجوانی میں نہایت صالح اور متقی تھے، اسلام کی خدمت میں آپؑ کا ثانی موجودہ دور میں تو کیا پچھلے چودہ سو برسوں میں کوئی دیکھنے میں نہیں آیا۔ ایک اشد مخالف مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنی کتاب تاریخ مرزا میں لکھا:

> ''جس طرح مرزا صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں (براہین احمدیہ تک اور اس سے بعد) اسی طرح مرزا صاحب سے میرے تعلق کے بھی دو حصے ہیں۔ براہین احمدیہ تک اور براہین سے بعد۔ براہین تک میں مرزا صاحب سے حسن ظن رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میری عمر کوئی 18 ,17 سال کی تھی میں بشوق زیارت بٹالہ سے پا پیادہ تنہا قادیان گیا'' (تاریخِ مرزا۔از احتسابِ قادیانیت جلد ہشتم صفحہ۔535)

آج تک جماعت احمدیہ کے اشد ترین مخالفین اورتحریک ختم نبوت کے گھٹیا سے گھٹیا مولوی کو بھی حضورؑ کے ماضی پر ایک چھینٹا بھی پھینکنے کی جرأت نہیں ہوئی۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''تم کوئی عیب افتراء یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پرنہیں لگا سکتے تاتم یہ خیال کرو کہ جوشخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔کون تم میں ہے جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کرسکتا ہے؟ پس یہ خدا کا فضل ہے کہ جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور سوچنے والوں کیلئے یہ ایک دلیل ہے۔'' (تذکرۃ الشہادتین ۔صفحہ۔64 روحانی خزائن ۔جلد۔20)

امیدوں کا مرکز

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَا ...
(ھود ۔ 63 :11)

انہوں نے کہا اے صالح! یقیناً تو اس سے پہلے ہمارے اندر امیدوں کا مرجع تھا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ سچے انبیاء اپنے اعلیٰ کردار کے باعث قوم میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں اور قوم نے ان کے ساتھ امیدیں وابستہ کی ہوتی ہیں جیسا کہ اس آیت میں حضرت صالحؑ کی قوم نے ان سے کہا کہ تو تو اس دعویٰ نبوت سے پہلے ہماری امیدوں کا مرکز تھا، یہ تو نے کیا کیا کہ ایسا دعویٰ کر کے ہماری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ان کی ناامیدی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اس ذہین، لائق اور قابل فرزندِ قوم کو اپنے مذموم مقاصد کی ترقی کیلئے استعمال کرنا چاہتے ہیں جبکہ خدا کا نبی status quo کو توڑ کر اور مروجہ مشرکانہ اور استحصالی نظام کو ختم کر کے عدل وانصاف اور توحید پرستی پر مبنی ایک نیا معاشرہ قائم کرنے کا علمبردار ہوتا ہے جو اس مروجہ نظام کے ٹھیکیداروں کو ہرگز گوارا نہیں ہوتا۔چنانچہ وہ اس انقلاب کے داعی سے مایوس ہوکر اس کی مخالفت پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔اسلام پر حملہ آور آریوں اور مسیحیوں کا دندان شکن جواب دینے اور اسلام کی بےمثال فضیلت پیش کرنے پر آپؑ قوم کی آنکھ کا تارا بن گئے اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ اب ہماری ڈوبتی کشتی کو پار لگانے والا یہی ایک ناخدا ہے۔لیکن جب طوفان سے کشتی نکالنے کے لوگوں کے مروجہ طریقوں کی بجائے حضورؑ نے الٰہی راستہ اختیار کیا اور قوم پر یہ واضح کیا کہ کتاب وسنّت کو چھوڑ کر جو طریق تم اپناتے رہے ہو وہ تو پہلے ہی ناکام ہوچکے ہیں اور اب تمہاری حالت پر رحم کر کے خدا نے تمہارے لئے ایک حکم عدل نازل کیا ہے جو تمہیں کتاب وسنّت میں بیان کردہ الٰہی طریق کی طرف واپس بلا رہا ہے جس پر چل کر تم کامیاب ہوسکتے ہو تو ان لوگوں کے ماتھوں پر تیوریاں پڑ گئیں اور انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ہم نے اسے

اتنا سر پر نہ چڑھایا ہوتا تو آج اسے یہ دعویٰ کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی، جس نے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف براہین احمدیہ پر ایک شاندار ریویو لکھا تھا، سرِ عام کہا کرتا تھا کہ اسے یعنی سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، میں نے ہی چڑھایا ہے اور اب اسے میں ہی گراؤں گا۔ لیکن آج وہ خود ہی پستیوں اور گمنامیوں کی گہرائیوں میں جا ڈوبا ہے اور اس کا ذکر ابوجہل کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہونے کے علاوہ کہیں باقی نہیں ہے۔ حضورؑ نے قوم کی ناراضگی اور لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر قلب سلیم کے ساتھ خدا کی آواز پر لبیک کہا اور تن من دھن سے ترقی اسلام کے مشن میں مصروف ہو گئے۔

اظہار غیب

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا o اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْ م بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا o (جن - 28 ,27 :72)	وہ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ کسی کو اپنے غیب پر غلبہ عطا نہیں کرتا۔ بجز اپنے برگزیدہ رسول کے۔ پس یقیناً وہ اس کے آگے اور اس کے پیچھے حفاظت کرتے ہوئے چلتا ہے۔

سچے انبیاء کی اہم ترین نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے علم پا کر وہ انسانوں کو ایسی خبریں دیتے ہیں جن کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے اور پھر اپنے وقت پر وہ خبریں بڑی شان سے پوری ہوتی ہیں۔ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بیشمار غیبی خبروں سے آگاہ فرمایا جو آپؑ نے اپنے دعویٰ کی صداقت کے طور پر بلا جھجھک لوگوں کے سامنے پیش فرمائیں کیونکہ آپؑ کو ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے پر ایسا ہی یقین تھا جیسا دن کی روشنی میں کسی کو سورج دیکھ کر اس کا یقین ہوتا ہے۔ منکرین اور مخالفین نے حسب عادت آپکی پیشگوئیوں کا مذاق اڑایا اور بلند بانگ دعوے کئے کہ یہ خبریں کبھی پوری ہونے والی نہیں، لیکن سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی تحدی اور یقین کامل سے فرمایا کہ کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ خدا کی دی ہوئی خبریں غلط ثابت ہوجائیں۔ چنانچہ ہر بار ایسا ہی وقوع پذیر ہوا کہ آپؑ کی فتح ہوئی اور دشمن خائب و خاسر ہوا۔ قادیان کے رہنے والے آریہ خصوصًا لالہ ملاوامل صاحب اور دیگر لوگ روزانہ پوری ہونے والی اخبار غیبیہ کے عینی شاہدین تھے۔ ان کے علاوہ شائع ہونے والی الہامی خبروں سے پورا ہندوستان بلکہ بیرونی ممالک کے لوگ بھی باخبر ہونے لگے اور پھر اپنے وقت پر ان کے پورا ہونے کے گواہ بھی بنے۔ ہندوستان میں لیکھرام اور امریکہ میں الیگزینڈر ڈوئی کی عبرتناک اموات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی دھاک دلوں میں بٹھادی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ خبر دی تھی کہ

''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا''

آج ایشیا، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ، سکینڈے نیویا کے ممالک، جاپان کے جزیروں اور افریقہ کے ہر کونے میں احمدیت کا پیغام ایم ٹی اے کے ذریعہ پہنچنے اور وہاں عملی طور پر جماعتیں قائم ہونے سے یہ پیشگوئی روزِ روشن کی طرح پوری ہو چکی ہے۔ قادیان کے آریہ سماجیوں، اپنے دوستوں، جانثار مریدوں اور دشمنوں سے لے کر عالمی واقعات کے متعلق سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے شمار پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ لیکن مخالفین کا یہ وطیرہ ہوتا ہے کہ ہر بات میں نبی کا مذاق اُڑاتے ہیں اور خاص طور پر اُس کے الہامات اور پیشگوئیوں سے تمسخر کرتے ہیں۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے الہامات میں ایک الہام ''تائی آئی'' بھی تھا۔ اس کے متعلق شیخ عبدالقادر صاحب (سابق سوداگرمل) سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی سیرت کی کتاب ''حیاتِ طیّبہ'' کے صفحہ 40 پر تحریر فرماتے ہیں:

''تائی آئی''۔ حضرت اقدس کو یہ الہام 1900ء میں ہوا تھا۔ اس وقت کچھ نہیں سمجھا گیا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ لیکن خدا کی قدرت کہ حضرت اقدسؑ کی وہی بھاوج صاحبہ جن کے ہاتھوں آپ کو تکلیفیں پہنچی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے 1921ء میں حضرت اقدسؑ کے فرزند حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے داخل سلسلہ احمدیہ ہو گئیں اور اس وقت یہ بات سمجھ میں آئی کہ الہام ''تائی آئی'' کا کیا مطلب تھا۔ خاتون موصوفہ سارے خاندان میں ''تائی'' کے لقب ہی سے مشہور تھیں۔''

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں کفّار کے اس طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝

(البقرۃ ۔ 2:27)

اللہ ہرگز اس سے نہیں شرماتا کہ کوئی سی مثال پیش کرے جیسے مچھر کی بلکہ اُس کی بھی جو اُس کے اوپر ہے۔ پس جہاں تک اُن لوگوں کا تعلّق ہے جو ایمان لائے تو وہ جانتے ہیں کہ یہ اُن کے ربّ کی طرف سے حق ہے۔ اور جہاں تک اُن لوگوں کا تعلّق ہے جنہوں نے انکار کیا تو وہ کہتے ہیں (آخر) یہ مثال پیش کرنے سے اللہ کا مقصد کیا ہے۔ وہ اس (مثال) کے ذریعے بہتوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے اور بہتوں کو اس کے ذریعہ سے ہدایت دیتا ہے اور وہ اس کے ذریعہ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں ٹھہراتا۔

سورہ البقرۃ کی اس مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ کفّار نبی کی ہر بات کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے مقررہ وقت پر اس نبی پر نازل کی گئی پیشگوئیوں اور وعدوں کو پورا فرما کر مخالفین پر حجّت تمام کر دیتا ہے۔ کچھ پیشگوئیاں نبی کی زندگی میں پوری ہو کر اس کے مخاطبین پر حجّت بنتی ہیں اور کچھ اس کے بعد پوری ہو کر آئندہ زمانے کے لوگوں کو اس کی صداقت کے تازہ ثبوت بہم پہنچاتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُO (الرعد۔ 41 :13)

اور اگر ہم تجھے ان انذاری وعدوں میں سے کچھ دکھا دیں جو ہم ان سے کرتے ہیں یا تجھے وفات دے دیں تو (ہر صورت) تیرا کام صرف کھول کھول کر پہنچا دینا ہے اور حساب ہمارے ذمہ ہے۔

اس موجودہ زمانے میں بھی حضورؑ کی دی ہوئی ایک اور خبر بڑی شان سے پوری ہوئی ہے اور وہ ہے جہاد کے مسئلے پر تمام دنیا کا بالعموم اور عالم اسلام کا بالخصوص آپؑ کے عقیدے کا ہمنوا ہونا اور پکار پکار کر کہنا کہ اس دور میں جنگوں کے ذریعے اسلام کی فتح نہیں ہو سکتی۔ حضور نے فرمایا تھا:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دین کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
یہ حکم سن کے جو بھی لڑائی کو جائیگا — وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائیگا
اک معجزہ کے طور سے یہ پیشگوئی ہے — کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

چنانچہ ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اس پیشگوئی کے بعد ایک بھی ایسی جنگ نہیں جو مسلمانوں نے جہاد کے نام پر لڑی ہو اور اس میں انہیں شکست نہ ہوئی ہو۔ اب مسلمان علماء اور دانشور جہاد کی اس تعریف کو اپنانے اور اسے اسلامی کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں جو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائی تھی۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن نے جہادی تنظیموں کے خلاف بیان دیتے ہوئے انہیں دیوبندی مسلک سے خارج قرار دیا اور پاکستانی مذہبی سیاست کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے کہا:

''ایک تاریخی فیصلے میں دارالعلوم دیوبند نے پاکستان یا دنیا کے کسی بھی حصہ میں کسی بھی دینی مدرسے اور مذہبی اداروں سے تعلق رکھنے والے ایسے افراد کو جو بھارت کے خلاف دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوّث ہوں، دیوبندی مکتبہ فکر سے خارج قرار دے دیا ہے۔ ۱۹ جون کو دارالعلوم نے واضح طور پر کہہ دیا

ہے کہ اسلامی تعلیمات سے روگردانی کرتے ہوئے دہشت گردی کرنے والے یاان میں مدد دینے والے افراد دیوبندی نہیں ہوسکتے اور ایسے اشخاص یا اداروں کا دیوبند سے کوئی تعلق نہیں۔ دارالعلوم کو یہ سخت قدم اس لئے اٹھانا پڑا کیونکہ کشمیر اور پاکستان کے مدرسوں میں دہشت گردی کی تعلیم حاصل کرنے والے لوگ بھارت کے خلاف دہشت گردی کی کارروائیاں دیوبندیت کے نام پر کررہے ہیں۔ اس بات کا اعلان مہتمم دارالعلوم مولانا مرغوب الرحمٰن نے کیا۔ اسی سلسلے میں امریکہ پاکستان کے بہت سے مدرسوں کو نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ پاکستان اور چند دوسرے ممالک میں ایسے بہت سے مدرسے ہیں جو دنیا بھر میں دارالعلوم دیوبند کی ساکھ، نیک نامی اور وقار کے ساتھ ساتھ اس کے طریقۂ تعلیم سے متاثر ہوکر اس کا نصابِ تعلیم یعنی درس نظامی اپنا چکے ہیں۔ دارالعلوم کا صحیح اسلامی تعلیم کو پیش کرنا، حب الوطنی، ہمسایوں کے حقوق وفرائض، بے گناہوں کو نقصان پہنچانے اور مارنے سے باز رہنے کی تعلیم دینا اور معاشرتی برائیوں سے بچنے کی تعلیم دیتے ہوئے نیک اور صالح زندگی گزارنے کا درس دینا بھی ایسے مدرسوں کیلئے متاثر کن ہے۔ اپنے اداروں کو ان خطوط پر چلانے کے لئے یہ مدارس خود کو دیوبند مکتبہ فکر کے ساتھ وابستہ قرار دیتے ہیں لیکن عملی طور پر اپنی بدنیّتی یا مقامی سیاست کے زیر اثر غیر اسلامی طریقے اپناتے ہیں۔ وجہ جو بھی ہو، ان مدارس کا یہ طریق مکتبہ دیوبند کے لئے بدنامی کا باعث بنتا ہے'' (ملّی گزٹ۔16 تا 31 جولائی 2002ء)

اسی اخبار یعنی (ملّی گزٹ۔16 تا 31 جولائی 2002ء) میں مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مزید فرماتے ہیں کہ:

''جہاں ہندوستان کے دیوبندیوں نے خصوصًا اور 130 ملین مسلمانوں نے عمومًا ہندوستان کے سیکولر آئین اور کثیر المذہبی معاشرہ کو قبول کرلیا ہے وہاں افغانستان اور پاکستان کے دیوبندی اس فکر میں ہیں کہ ان کا انتہاپسندانہ طرز اسلام بزور طاقت نافذ کیا جائے۔ یہ جاننا بہت اہم ہے کہ جنوبی ایشیاء کے دیوبندی اتنا واضح اختلاف کیوں رکھتے ہیں۔ یہاں دیوبند میں جہاد بمعنی مذہبی جنگ کی ہرگز تعلیم نہیں دی جاتی۔ دارالعلوم کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن نے کہا کہ ہمارے مدرسوں میں آپ کو کسی کو مارنے کے لئے چھڑی تک نہیں ملے گی۔ اس کے برعکس پاکستان کے دینی مدرسے مذہبی جنگوں کی تربیت گاہیں بن چکے ہیں جہاں سے مولانا مسعود اظہر جیسے بہت سے دیوبندی طالبان لیڈر تیار ہوکر نکلے اور بھارت سمیت بہت سی جگہوں میں دہشتگردی کی وارداتوں میں ان کا ہاتھ بتایا جاتا ہے۔ دیوبندیوں کے اس واضح فرق کی جڑیں ہندوستان کے سیکولر آئین اور کثیر المذہبی معاشرہ میں پوشیدہ ہیں۔ مولانا مرغوب الرحمٰن نے کہا کہ ہم پہلے ہندوستانی ہیں پھر مسلمان ہیں۔ انہوں نے (پاکستانیوں نے) ہمارا طرز تعلیم تو اپنایا ہے لیکن اس کو بالکل الگ طریقے پر پیش کررہے ہیں۔ ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔''

شیخ محمد اکرام صاحب اپنی مشہور تصنیف ''موجِ کوثر'' میں لکھتے ہیں

''احمدی جماعت کے فروغ کی ایک اور وجہ ان کی تبلیغی کوششیں ہیں۔مرزا صاحب اوران کے معتقدوں کا عقیدہ ہے کہ اب جہاد بالسیف کا زمانہ نہیں بلکہ جہاد بالقلم اور جہاد باللسان یعنی تحریری اورزبانی تبلیغ کا زمانہ ہے۔ان کے اس عقیدے سے عام مسلمانوں کو اختلاف ہے،لیکن واقعہ یہ ہے کہ آج جہاد بالسیف کی اہلیت نہ تو احمدیوں میں ہے نہ عام مسلمانوں میں ۔ طاقت جلوہ سینا نہ تو داری و نہ من ۔ عام مسلمان تو جہاد بالسیف کے عقیدے کا خیالی دم بھر کے،نہ عملی جہاد کرتے ہیں اور نہ تبلیغی جہاد۔لیکن احمدی جنہوں نے جہاد بالسیف کے معاملے میں کھلم کھلا اور صاف صاف حالات حاضرہ کے سامنے سر جھکا دیا ہے،دوسرے جہاد یعنی تبلیغ کو ایک مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اوراس میں انہیں خاصی کامیابی ہوئی ہے۔''

(موجِ کوثر۔صفحہ۔ 179،ناشر ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،2 ۔کلب روڈ،لاہور،ایڈیشن۔1984)

اسی طرح ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مسلّح جہاد سے اظہار براءت کرتے ہوئے فرمایا:

''اس کے علاوہ آج سے آٹھ دس برس قبل واشنگٹن ایریا کے ایک اچھے اجتماع میں اپنے خطاب کے اختتام پر جو motto یا slogan میں نے دیا تھا اب اس کو عام کرنے کی ضرورت ہے یعنی: "Yes! we are fundamentalists, but not terrorists" اوراس کی بھی شدید ضرورت ہے کہ اسامہ بن لادن اور کسی واقعی یا موہومہ تنظیم القاعدہ سے اظہار براءت کیا جائے۔اس کے ضمن میں یاد ہوگا کہ عالم اسلام کی تحریکوں میں جب مسلّح مزاحمت اور تشدد اور توڑ پھوڑ یا قتل و غارت کے رجحانات پیدا ہوئے اور بعض جگہوں پر ballot کا راستہ رک جانے پر bullet کا راستہ اپنایا گیا تو اسے میں نے ہمیشہ غلط بلکہ مضر اور counter-productive قرار دیا۔اب اس نقطہ نظر کی زیادہ اشاعت کی ضرورت ہے!''

(''ہماری دینی و تحریکی فکر اور اس کے تقاضے اور امریکی معاشرے میں دعوت و اقامتِ دین کی ممکنہ عملی صورت''۔ڈاکٹر اسرار احمد۔ماہنامہ میثاق فروری 2003ء)

جھوٹے دعویٰ وحی و الہام کی سزا

کسی بھی مدعی وحی والہام کے کذب وصداقت کا ایک بہت بڑا معیار جو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر اس کی بیان کردہ باتیں درحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوں اور اس نے اپنے دل سے گھڑ کر بعض باتیں خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کردی ہوں تو اللہ تعالیٰ کبھی بھی ایسے جھوٹے کو کامیاب نہیں کرتا۔ اس معیار کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تین طریق پر بیان کیا ہے۔ ایک تو خود اپنی طرف سے اس معیار کو سورہ الحاقہ کی مندرجہ ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (الحاقة۔45-49: 69)

اور اگر وہ بعض باتیں جھوٹے طور پر ہماری طرف منسوب کردیتا۔ تو ہم اسے ضرور داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ پھر ہم یقیناً اس کی رگ جان کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی ایک بھی اس سے (ہمیں) روکنے والا نہ ہوتا۔ اور یقیناً یہ متقیوں کیلئے ایک بڑی نصیحت ہے۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ سے پہلے مسلمان علماء اس آیت کو کسی بھی مدعی کی صداقت کا معیار ٹھہرایا کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی مدعی الہام اپنے دعویٰ الہام کے بعد آنحضرت ﷺ کے دور نبوت یعنی 23 سال تک زندہ رہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سچا ہے۔ لیکن جب حضورؑ نے اپنے دعویٰ الہام پر اتنی مدت گزر جانے کے بعد اس معیار کو اپنی صداقت کا نشان بتایا تو انہوں نے اپنی ہی کہی ہوئی باتوں کو بدل کر یہ کہنا شروع کردیا کہ یہ معیار صرف آنحضرت ﷺ کیلئے مخصوص ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ انہی آیات میں اس بات کی وضاحت فرما چکا ہے کہ اس بات میں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے کو ہلاک کردیتا ہے، متقیوں کیلئے ایک بڑی نشانی ہے۔ یعنی اس معیار کو متقی ہر دور میں مدعیان نبوت پر چسپاں کر کے ان کی صداقت پرکھ سکتے ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَ يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ يُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ (الشوریٰ۔ 25: 42)

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا ہے؟ پس اگر اللہ چاہتا تو تیرے دل پر مہر لگا دیتا اور جھوٹ کو اللہ مٹا دیا کرتا ہے اور حق کو اپنے کلمات سے ثابت کردیتا ہے۔ یقیناً وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

یہ آیت بھی منکرین کے اس مفروضے کا رد ہے کہ افتراء کی سزا صرف آنحضرت ﷺ کے دور تک محدود تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنی سنت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ کو مٹا دیا کرتا ہے اور سچ کو اپنے کلمات سے ثابت کر دیتا ہے۔ اگر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ جھوٹ تھا تو اللہ نے اسے مٹایا کیوں نہیں اور آج تک اس کی تائید میں نشانات کیوں ظاہر ہو رہے ہیں؟ احمدیت کی مخالفت میں ایسے مفروضے پیش کرنے والے غیر احمدی علماء کی کتابوں میں دوسری جگہ یہ معیار صداقت بھی لکھا گیا ہے کہ ایک جھوٹے مدعی نبوّت کو خدا اس دنیا میں ہی سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑتا اور اس سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہونے دیتا۔ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں:

’’دنیا میں اگر کوئی شخص بادشاہ کی نیابت یا سفارت کاری کا جھوٹا دعویٰ کر کے جعلی سند بناتا ہے تو بادشاہ خبر پانے کے بعد ملکی انتظام کی خاطر اس جھوٹے کو بڑی سزا دیتا ہے۔ جب دنیا کے حاکموں اور بادشاہوں کو ملکی انتظام اس قدر مقصود ہوتا ہے تو کیا احکم الحاکمین کو اپنے عالم کا انتظام مقصود نہ ہوگا۔ لہذا جھوٹے شخص سے ہرگز معجزہ ظاہر نہ ہونے دے گا اور **اس جھوٹے کو دنیا ہی میں رسوا کرے گا۔‘‘**

(اسلامی عقائد ۔ صفحہ ۔ 28)

دوسرا طریق اللہ تعالیٰ نے اس معیار کے بیان کا یہ اختیار کیا ہے کہ خود ایک نبی کی زبان سے اس کو کہلوایا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے اور واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ اگر میں نے جھوٹا دعویٰ کیا ہوگا تو اس کا وبال خود مجھ پر پڑ جائیگا تمہیں مجھے سزا دینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ احکم الحاکمین خدا خود مجھے اس جھوٹ کی سزا دیدے گا۔ تم البتہ ان جرائم کی پاداش کی فکر کرو جن میں تم ملوّث ہو۔ اس صاف صاف وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سچے نبی کا یہ نشان بھی بتا دیا کہ اس وقت اس کی قوم میں جو جرم پائے جاتے ہیں اور جن عام برائیوں کا وہ شکار ہوتی ہے، یہ سچا نبی ان تمام قومی اور معاشرتی برائیوں سے پاک ہوتا ہے اور ان کے درمیان رہتے ہوئے بھی ان جیسا نہیں ہوتا۔ چنانچہ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنے دور کی تمام مروجہ اخلاقی برائیوں اور بدعادات سے پاک تھے جس کی گواہی قادیان کے رہنے والے کیا مسلمان کیا آریہ اور سکھ اور کیا عیسائی، سب دیتے تھے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ O (ھود ۔ 36 :11)

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے افترا کرلیا ہے؟ تو کہہ دے کہ اگر میں نے یہ افترا کیا ہوتا تو مجھ پر ہی میرے جرم کا وبال پڑتا۔ اور میں اس سے بری ہوں جو تم جرم کیا کرتے ہو۔

تیسرا طریق اس معیار کے بیان کا یہ اختیار کیا گیا ہے کہ ایک مومن شخص کی زبان سے اس بات کو کہلوایا گیا ہے۔ گویا یہ ایک سعید الفطرت انسان کے دل کی آواز ہے جس کا کانشنس اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اگر یہ مدعی وحی والہام شخص جھوٹا ہوگا تو ضرور خدا تعالیٰ سے سزا پائیگا۔ لیکن اگر یہ سچا ہوا تو جو کچھ یہ کہہ رہا ہے اس میں سے ضرور کچھ نہ کچھ پورا ہو کر رہیگا اور اس کے انکار اور اسے اذیت پہنچانے پر قوم کو سزا بھگتنی پڑے گی۔

وَ اِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ ؕ (المؤمن ـ 29 :40)

اور اگر وہ جھوٹا نکلا تو یقیناً اس کا جھوٹ اسی پر پڑیگا اور اگر وہ سچا ہوا تو جن چیزوں سے وہ تمہیں ڈراتا ہے ان میں سے کچھ ضرور تمہیں آ پکڑیں گی

ان آیات کی روشنی میں سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ اور تاریخ جماعت احمدیہ کا مطالعہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تباہ و برباد کرنے کی بجائے ہر قدم پر حضور کی مدد و نصرت فرمائی۔ حضور علیہ السلام اسی قرآنی معیار کو پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ اپنی تائیدات اور اپنے نشانوں کو ابھی ختم نہیں کر چکا اور اسی کی ذات کی مجھے قسم ہے کہ وہ بس نہیں کرے گا جب تک میری سچائی دنیا پر ظاہر نہ کردے۔ پس اے تمام لوگو جو میری آواز سنتے ہو خدا کا خوف کرو اور حد سے مت بڑھو۔ اگر یہ منصوبہ انسان کا ہوتا تو خدا مجھے ہلاک کر دیتا اور اس تمام کاروبار کا نام ونشان نہ رہتا۔ مگر تم نے دیکھا ہے کہ کیسی خدا تعالیٰ کی نصرت میرے شامل حال ہو رہی ہے اور اس قدر نشان نازل ہوئے جو شمار سے خارج ہیں۔ دیکھو کس قدر دشمن ہیں جو میرے ساتھ مباہلہ کر کے ہلاک ہو گئے۔ اے بندگان خدا! کچھ تو سوچو کیا اللہ تعالیٰ جھوٹوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے۔''

(تتمہ حقیقۃ الوحی ـ صفحہ ـ 118، روحانی خزائن ـ جلد ـ 22 صفحہ ـ 554)

تم اپنا کام کرو مجھے اپنا کام کرنے دو

اس معیارِ صداقت کو تین مختلف پہلوؤں سے بیان کرنے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ ہدایت کی ہے کہ مخالفین سے کہو کہ:

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ o مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ o (الزّمر - 39:40,41)

تو کہہ دے کہ اے میری قوم! تم نے اپنی جگہ جو کرنا ہے کرتے پھرو، میں بھی کرتا رہوں گا۔ پس تم عنقریب جان لو گے۔ (کہ) کس تک وہ عذاب پہنچتا ہے جو اسے ذلیل کر دے اور کون ہے جس پر آ کر ٹھہر جانے والا عذاب اترتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ خزاعہ کے رئیس بُدَیل بن ورقا کو اہل مکّہ کے لئے یہی تجویز دے کر اُن کے پاس بھیجا اور فرمایا:

''ہم تو جنگ کی غرض سے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ کی نیّت سے آئے ہیں اور افسوس ہے کہ باوجود اس کے کہ قریش مکّہ کو جنگ کی آگ نے جلا جلا کر خاک کر رکھا ہے مگر پھر بھی یہ لوگ باز نہیں آتے اور میں ان لوگوں کے ساتھ اس سمجھوتہ کے لئے بھی تیار ہوں کہ وہ میرے خلاف جنگ بند کر کے مجھے دوسرے لوگوں کے لئے آزاد چھوڑ دیں۔ لیکن اگر انہوں نے میری اس تجویز کو بھی ردّ کر دیا اور بہرصورت جنگ کی آگ کو بھڑکائے رکھا تو مجھے بھی اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ پھر میں بھی اس مقابلہ سے اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹوں گا کہ یا تو میری جان اس رستہ میں قربان ہو جائے اور یا خدا مجھے فتح عطا کرے۔ اگر میں ان کے مقابلہ میں آ کر مٹ گیا تو قصہ ختم ہوا لیکن اگر خدا نے مجھے فتح عطا کی اور میرے لائے ہوئے دین کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر مکّہ والوں کو بھی ایمان لانے میں کوئی تامّل نہیں ہونا چاہئے۔ بُدَیل بن ورقا نے یہ تجویز اہل مکّہ کے سامنے رکھی تو عروہ بن مسعود ثقفی نے بھی اس کی تائید کی اور اہل مکّہ پر زور دیا کہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی یہ بات مان لینی چاہئے۔'' (بخاری کتاب الشروط)

مذہبی امن قائم کرنے والی یہ تجویز انجیل میں بھی بیان ہوئی ہے۔ واقعہ صلیب کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے یروشلم میں تبلیغ کی تو وہاں کے مذہبی رہنماؤں کو بہت غصّہ آیا اور انہوں نے ان حواریوں اور ان کے مشن کو بذریعہ جبر ختم کرنے کا ارادہ کیا۔ تب گملیئل نامی ایک عالم نے اُٹھ کر ان سے کہا:

''اے اسرائیلیو! ان آدمیوں کے ساتھ جو کچھ کیا چاہتے ہو ہوشیاری سے کرنا۔ کیونکہ ان دنوں سے پہلے تھیوداس نے اُٹھ کر دعویٰ کیا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں اور تخمیناً چار سو آدمی اس کے ساتھ ہو گئے تھے مگر وہ مارا گیا اور جتنے اس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہوئے اور مٹ گئے۔ اس شخص کے بعد یہوداہ گلیلی اسم نویسی کے دنوں میں اٹھا اور اس نے کچھ لوگ اپنی طرف کر لئے۔ وہ بھی ہلاک ہوا اور جتنے اس کے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہو گئے۔ پس اب میں تم سے کہتا ہوں کہ ان آدمیوں سے کنارہ کرو اور ان سے کچھ کام نہ رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا سے بھی لڑنے والے ٹھہرو کیونکہ یہ تدبیر یا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہے تو آپ برباد ہو جائیگا۔ لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کر سکو گے۔'' ۱۰اعمال۔ 38-35 :5)

قرآن وحدیث اور انجیل کے ان اصولوں کے مطابق مدعی نبوت کو نہ ماننے والے اگر اپنی اپنی جگہ پر اس نبی کی تعلیم کا رد کرتے رہیں اور اس کی نصیحتوں کو غلط پروپیگنڈہ قرار دیتے رہیں لیکن اس نبی کو اپنی جگہ کام کرنے دیں تو ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب سچی بات کو فتح حاصل ہوجاتی ہے اور جھوٹ کا صفایا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن مخالفین کے پاس چونکہ سچے نبی کے دلائل کا توڑ نہیں ہوتا اس لئے وہ جبراً اس کی آواز کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کی کامیاب زندگی کے علاوہ جماعت احمدیہ کی سو سال سے زیادہ کی تاریخ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ خلفاء پر قاتلانہ حملوں، اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے متواتر اور تابڑ توڑ حملوں، آئین سازیوں، امتیازی قانونوں کے نفاذ اور خلافت کے خلاف سازشوں کے باوجود جماعت احمدیہ اور نظام خلافت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی تائید ونصرت کے ساتھ مسلسل ترقی پذیر ہے اور جس مشن کو لے کر وہ آگے بڑھی تھی اسے آج دنیا بھر میں مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی تائید اور سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی دلیل نہیں؟

ربّانی بنانے والی تعلیم

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ o وَ لَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ط اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ o

(آلِ عمران۔ 3:80,81)

کسی بشر کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ میری عبادت کرنے والے بن جاؤ۔ بلکہ (وہ تو یہی کہتا ہے کہ) ربّانی ہو جاؤ، بوجہ اس کے کہ تم کتاب پڑھاتے ہو، اور بوجہ اس کے کہ تم (اسے) پڑھتے ہو۔ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو ہی رب بنا بیٹھو۔ کیا وہ تمہیں کفر کی تعلیم دیگا بعد اس کے کہ تم فرمانبردار بن چکے ہو۔

سچے انبیاء کی طرح سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خودنمائی اور پیروں کی طرح اپنی شان وشوکت اور جاہ وجلال کو قائم کرنے کی طرف نہیں بلکہ خدا کی سچی اور کامل توحید اور پرستش کی طرف بلایا۔ آپؑ کی تعلیم ربانی بنانے والی تعلیم ہے۔ آپؑ ان تمام لوازمات سے متنفر تھے جو گدی نشین اور پیر اپنی شان وشوکت ظاہر کرنے کیلئے اپنایا کرتے تھے۔ محترم شیخ عبدالقادر صاحب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کی کتاب 'حیاتِ طیّبہ' میں **ایک ایمان افزا روایت** کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

''خاکسار راقم الحروف نے حضرت اقدس کے کئی پرانے صحابہ سے یہ روایت سُنی ہے جن میں حضرت بابو غلام محمد فورمین لاہوری اور حضرت میاں عبدالعزیز مغل کا نام خاص طور پر یاد ہے کہ ایک دفعہ جب کہ حضور لاہور تشریف لائے۔ ہم چند نوجوانوں نے یہ مشورہ کیا کہ دوسری قوموں کے بڑے بڑے لیڈر جب یہاں آتے ہیں تو ان کی قوموں کے نوجوان گھوڑوں کی بجائے خود ان کی گاڑیاں کھینچتے ہیں۔ اور ہمیں جو لیڈر اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یہ اتنا جلیل القدر ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ بھی اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ پس آج گھوڑوں کی بجائے ہمیں ان کی گاڑی کھینچنی چاہئے۔ چنانچہ ہم نے گاڑی والے کو کہا کہ اپنے گھوڑے الگ کرلو۔ آج گاڑی ہم کھینچیں گے۔ کوچ مَین نے ایسا ہی کیا۔ جب حضور باہر تشریف لائے تو فرمایا کہ گھوڑے کہاں ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ حضور دوسری قوموں کے لیڈر آتے ہیں تو ان کی قوم کے نوجوان ان کی گاڑیاں کھینچتے ہیں۔ آج حضور کی گاڑی کھینچنے کا شرف ہم حاصل کریں گے۔ فرمایا۔ فورًا گھوڑے جوتو۔ ہم انسان کو حیوان بنانے کے لیے دنیا میں نہیں آئے۔ ہم تو حیوان کو انسان بنانے کے لیے آئے ہیں!۔'' (صفحہ ۔ 354, 355)

اگر حضورؑ نعوذ باللہ ایک جھوٹے مدعی ہوتے تو اس طرح انہیں اپنا رعب و داب جمانے اور مخالفین پر اپنی شان و شوکت ظاہر کرنے کا ایک بہترین موقعہ مل جاتا لیکن خدا کے اس سچے مسیحؑ نے جو لوگوں کو اپنے بندے بنانے کی بجائے خدا کا بندہ بنانے آیا تھا، اس طرزِ عمل اور اس پیشکش کو فوری رد کر دیا۔ اس کے برعکس ہندوستان کے ایک بہت بڑے مسلم سیاسی لیڈر علیگڑھ یونیورسٹی تشریف لے گئے تو وہاں کے طلباء جوشِ عقیدت میں ان کی بگھی کے گھوڑے کھول کر اس کے آگے جت گئے اور خود کھینچ کر بگھی کو یونیورسٹی تک لے گئے۔ یہ ہے بیّن فرق ایک روحانی اور ایک دنیاوی لیڈر میں۔

غلبہ کا وعدہ

کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ o (المجادلۃ ۔ 58:22)	اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ یقیناً اللہ بہت طاقتور (اور) کامل غلبہ والا ہے۔
وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَo اِنَّھُمْ لَھُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَo وَاِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغٰلِبُوْنَo (الصّٰفٰت ۔ 174-172 :37)	اور بلاشبہ ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے حق میں ہمارا (یہ) فرمان گزر چکا ہے۔ (کہ) یقیناً وہی ہیں جنہیں نصرت عطا کی جائیگی۔ اور یقیناً ہمارا لشکر ہی ضرور غالب آنے والا ہے۔
وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ وَلَیْسَ لَہٗ مِنْ دُوْنِہٖۤ اَوْلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ o (الاحقاف ۔ 33 :46)	اور جو اللہ کی طرف بلانے والے کو لبیک نہیں کہتا تو وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں بن سکتا اور اس کے مقابل پر اس کے کوئی سرپرست نہیں ہوتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کھلی گمراہی میں ہیں

قرآن کریم کی محولہ بالا آیاتِ کریمہ بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں کے ساتھ ایک غیر مبدل سلوک یہ ہوتا ہے کہ انجام کار وہی غالب آتے ہیں اور زمانے کی تمام تر طاقتیں، تمام حربوں کو آزمانے کے باوجود ناکامی کا منہ دیکھتی ہیں۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی حیات مبارکہ میں پیش آنے والے مقدمات اور مخالفتیں ہوں یا قادیان میں 1935ء کی احرار کانفرنس، 1953ء اور 1974ء کے ہنگامے اور غیر مسلم قرار دینے والی آئینی ترامیم ہوں یا 1984ء کے ظالمانہ آرڈیننس؛ بنگلہ دیش کے مُلّاؤں کا فساد ہو یا انڈونیشیاء کے مولویوں کی تحریک، جماعت احمدیہ کی تمام تر تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر طرح سے اسے ختم کرنے کی کوششیں کی گئیں لیکن ایک ایک کر کے اس کے دشمن ختم ہوتے رہے اور یہ نہ صرف قائم و دائم ہے بلکہ ترقی کی راہوں پر مسلسل قدم بڑھا رہی ہے اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

منکرین کا ردعمل

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ نبی کے مخاطب معاشرے میں طاقت کے وہ مراکز اور سماج کے وہ ستون جن پر سیاست، مذہب اور اقتصادیات کا سارا دارومدار ہوتا ہے، نبی کی اس آواز پر لرز جاتے ہیں اور انہیں اپنی بقا کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے فائدہ کیلئے ایک ایسا استحصالی نظام وضع کیا ہوتا ہے جس میں عوام پس رہے ہوتے ہیں لیکن مراعات یافتہ طبقہ خوشحالی کی زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔ نبی کی تعلیم پھیلنے کی صورت میں انہیں اپنی تمام مراعات ہاتھ سے جاتی ہوئی نظر آتی ہیں لہذا یہ تمام طبقے آپس کی ریشہ دوانیوں اور ملی بھگت کے ذریعے اس آواز کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مخالفین کا یہ سلوک ہر نبی کے ساتھ ہوتا رہا ہے اور قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کو یہ کہہ کر تسلی دی گئی ہے کہ تو ان کے سلوک سے دل گرفتہ نہ ہو اور نہ غم کر بلکہ اولوالعزم رسولوں کی طرح صبر و استقامت کا نمونہ دکھا۔ تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ

تجھے کچھ نہیں کہا جاتا مگر وہی جو تجھ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا۔

(حٰم سجدۃ۔ 41:44)

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○

(البقرۃ۔ 2:119)

اور وہ لوگ جو کچھ علم نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ آخر اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس بھی کوئی نشان کیوں نہیں آتا۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے ان کے قول کے مشابہ بات کی تھی۔ ان کے دل آپس میں مشابہ ہو گئے ہیں۔ ہم آیات کو یقین لانے والی قوم کیلئے خوب کھول کر بیان کر چکے ہیں۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ○ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ○

(الذّٰریٰت۔ 51:53, 54)

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کی طرف بھی کبھی کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے کہا کہ یہ ایک جادوگر یا دیوانہ ہے۔ کیا اسی کی وہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں؟ بلکہ یہ ایک سرکش قوم ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی، جیسا کہ ذیل میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، منکرین نے گذشتہ انبیاء کے مخالفین والا ہی سلوک کیا جو آپؑ کے ایک سچا رسول ہونے کا نشان ہے۔

شاعر کہہ کر ماننے سے انکار کردیتے ہیں

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَO وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍO بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَO (التوبة ۔ 31 :9)

یقیناً وہ ایسے تھے کہ جب انہیں کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ استکبار کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کیا ہم ایک مجنون شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو حق لے کر آیا تھا اور سب رسولوں کی تصدیق کرتا تھا۔

مندرجہ بالا آیات میں کفّار کا استکباری روّیہ بیان کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ نبی کو شاعر کہتے ہوئے اسے ماننے سے انکار کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا ہم اس شاعر کی خاطر اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی بعینہٖ ایسا ہی ہوا۔ آپ کا یہ کہہ کر انکار کیا گیا کہ یہ شاعر ہے اور ایک نبی شاعر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم اس شخص کو نبی نہیں مان سکتے۔

اپنے علماء کو اس پر ترجیح دیتے ہیں

سورہ الزخرف کی مندرجہ ذیل آیات میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ جب کفّار کے سامنے مسیحؑ کی مثال بیان کی جاتی ہے یا بالفاظ دیگر مثیل مسیحؑ کی بات کی جاتی ہے تو وہ شور مچا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے خدا اس سے بہتر ہیں۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَومُکَ مِنهُ يَصِدُّونَ O وَ قَالُوا ءَ اٰلِهَتُنَا خَيرٌ اَم هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوهُ لَکَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَل هُم قَومٌ خَصِمُونَO (الزّخرف ۔ 59 ,43:58)

اور جب ابن مریم کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے تو اچانک تیری قوم اس پر شور مچانے لگتی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ وہ تجھ سے یہ بات محض جھگڑے کی خاطر کرتے ہیں بلکہ وہ سخت جھگڑالو قوم ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں خداؤں سے مراد کفّار کے بُت بھی ہو سکتے ہیں لیکن قرآن وحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کے منکرین اپنے علماء کی اس حد تک پیروی کرتے ہیں کہ گویا ان کو خدا بنا بیٹھتے ہیں اور ان کو نبی سے بہتر سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رھبان کو خدا بنا رکھا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○ (التوبة ۔ 31 :9)

انہوں نے اپنے علمائے دین اور راہبوں کو اللہ سے الگ رب بنا رکھا ہے اور اسی طرح مسیح بن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی معبود کی عبادت کریں۔ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ وہ پاک ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے مطابق نبی اکرم ﷺ نے حضرت عدیؓ بن حاتم کو یہی سمجھایا کہ علماء کی باتیں آنکھیں بند کر کے مان لینا اور ان باتوں کی اللہ کی کتاب سے تصدیق نہ کرنا گویا ان علماء کی عبادت کرنا اور اللہ کے ساتھ شریک کرنے کے برابر ہے اور یہود و نصاریٰ کا اپنے احبار و رہبان کی پرستش کا یہی مطلب ہے ورنہ وہ انہیں اللہ کی طرح پوجتے نہ تھے۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: اَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ فِي عُنُقِي صَلِيْبٌ مِّنْ ذَهَبٍ فَقَالَ: يَا عَدِيُّ اطْرَحْ عَنْكَ هٰذَا الْوَثَنَ وَ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِي سُوْرَةِ بَرَاءَةٌ ﴿اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ قَالَ: اَمَا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوْهُ وَ اِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ۔ (سُنن ترمذی ۔کتاب التفسیر الجز الرابع۔ صفحه ۔ 129 ، دارلکتب العلمية، بيروت، لبنان)

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو میرے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: اے عدی اس بت کو اپنے سے دور کر دو۔ پھر میں نے آپؐ کو سورہ براءۃ کی یہ آیت تلاوت کرتے سنا کہ انہوں نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ کے سوا رب بنا لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایسا نہیں تھا کہ وہ اُن کی عبادت کرتے تھے بلکہ اُن کے حلال کو حلال اور اُن کے حرام کو حرام سمجھتے تھے۔

آج کے دور میں بھی لوگوں نے عملاً اپنے دین کو علماء کے سپرد کر دیا ہے اور ان کی ہر تشریح کو قرآن و سنّت کی حقیقی تعبیر سمجھتے ہیں اور کتاب و سنّت سے اس کی تصدیق ضروری نہیں سمجھتے۔ کسی بھی دینی مسئلہ میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ قرآن و حدیث میں اس کے متعلق کیا کہا گیا ہے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ فلاں فلاں عالم نے اس کی تشریح میں کیا لکھا ہے۔ مقلّدین حضرات کہتے ہیں کہ یہ کافی ہے کہ ہمارے امام نے کیا لکھا ہے، ہمیں قرآن و حدیث سے رجوع کی نہ ضرورت ہے نہ طاقت۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی یہی اعتراض کیا گیا کہ یہ شخص کسی مدرسے کا تعلیم یافتہ نہیں ہے چنانچہ مستند علماء کے مقابل پر اس کی دینی تشریحات قبول نہیں کی جاسکتیں۔ اُن کے بقول اُن کے علماء جنہوں نے برسوں تک مدرسوں میں تعلیم حاصل کی اور عربی صرف نحو اور ادب کے ماہرین ہیں زبان و بیان کو اس مدعی نبوت سے بہتر سمجھتے ہیں اور اگر نبوّت ملنی ہی تھی تو یہ علماء اس سے زیادہ بہتر ہیں۔ گویا دنیاوی سرچشمہ کو مستند اور حتمی سمجھا گیا لیکن آسمانی سرچشمہ کا انکار کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ رحمتِ باری کی تقسیم کا کام بھی اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی گئی۔

پہلے رسولوں کے نشانات کا مطالبہ کرتے ہیں

کفار اور منکرین کی ایک علامت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے دور کے نبی سے پچھلے ادوار میں گذرے ہوئے انبیاء کے نشانات طلب کرتے ہیں۔

وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ ۔۔۔ (الانعام ۔ 6:125)

اور جب ان کے پاس کوئی نشان آتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں ویسا ہی (نشان) دیا جائے جیسا (پہلے) اللہ کے رسولوں کو دیا گیا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے جب یہود کو یہ کہا کہ میں بائیبل میں موجود پیشگوئی کے مطابق موسیٰ کی طرح کا نبی ہوں تو انہوں نے کہا کہ اگر تم ویسے ہی نبی ہو جیسا کہ موسیٰ نبی تھا تو پھر تم وہ معجزات کیوں نہیں دکھاتے جو موسیٰ نے دکھائے تھے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ ۔۔۔

(القصص ۔ 49 :28)

پس جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آ گیا تو انہوں نے کہا کہ اسے ویسا ہی کیوں نہ دیا گیا جیسا موسیٰ کو دیا گیا تھا۔ کیا وہ اس سے پہلے اس کا انکار نہیں کر چکے جو موسیٰ کو دیا گیا تھا؟

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی انہی اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا جو ہر زمانے کے منکرین انبیاء پر کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے زمانے کے منکرین یہ کہتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب ابن مریم ہیں تو کتنے مُردوں کو انہوں نے زندہ کیا، اور کتنے مادرزاد اندھے، کوڑھی اور لنگڑے لُولے انہوں نے ٹھیک کئے۔ ''جنگ مقدس'' نامی مشہور مباحثہ میں علمی طور پر ناکام ہونے کے بعد عیسائی پادری چند لُولے لنگڑوں کو لے آئے کہ اگر آپ واقعی مسیح موعود ہیں تو ان بیماروں کو شفا بخش کر اپنا دعویٰ ثابت کیجئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہی کا وار ان پر الٹتے ہوئے فرمایا کہ ہم تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کو ویسا نہیں سمجھتے جیسا کہ آپ کا خیال ہے لیکن آپ کے متعلق بائیبل میں لکھا ہے کہ اگر آپ میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے تو آپ لوگ مسیح سے بڑے معجزے دکھا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ میں رائی کے دانے کے برابر تو ایمان ہوگا چنانچہ خود ہی مہربانی فرما کر ان بیماروں کو معجزانہ شفا بخشئے۔ یہ سن کر ان پادریوں کو وہاں سے بھاگتے ہی بنی۔

نئے ذکر سے اعراض اور تمسخر کرتے ہیں

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَ هُمْ يَلْعَبُوْنَ O (الانبياء ۔ 21:3)

ان کے پاس کوئی نیا ذکر ان کے رب کی طرف سے نہیں آتا مگر وہ اسے اس طرح سنتے ہیں گویا وہ شغل کر رہے ہوں

وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ O (الشعراء ۔ 26:6)

اور ان کے پاس رحمان کی طرف سے کوئی تازہ نصیحت نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

ان دونوں آیات میں ایک تو سنت اللہ بیان کی گئی ہے اور دوسرے منکرین کا ردعمل بتایا گیا ہے۔سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت ذکر نازل کرتا رہتا ہے اور دوسرا یہ کہ جن لوگوں کو پہلے ذکر عطا کیا گیا ہوتا ہے وہ نئے ذکر کے نازل ہونے پر چیں بجبیں ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہوئے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔موجودہ زمانے میں بھی ایسا ہی ہوا۔ جو لوگ ذکر کے حامل تھے جب ان کو یہ بتایا گیا کہ تمہارے پاس موجود ذکر کی تصدیق میں خدا نے ایک نیا ذکر نازل کیا ہے تا کہ تمہاری ان خرابیوں اور بداعمالیوں کی طرف توجہ دلائی جائے جو تم نے اپنے پہلے ذکر کے ساتھ روا رکھی ہیں تو ان لوگوں نے اس نئے ذکر کا مذاق اڑایا اور اس سے منہ پھیر لیا۔ ہمارے زمانے میں مخالفین نے ایک رٹ یہ بھی لگا رکھی ہے کہ قرآن مجید کے بعد کسی بھی وحی پر ایمان لانے کا حکم نہیں ہے۔ اپنی اس بات کی دلیل وہ سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت سے لاتے ہیں:

وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ O (البقرۃ ۔ 2:5)

اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور اس پر بھی جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

ہمارے مخالفین کا کہنا ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ سے پہلے اور آپؐ پر نازل ہونے والی وحی پر ایمان لانے کا تو حکم ہے لیکن آپؐ کے بعد نازل ہونے والی کسی وحی پر ایمان لانے کا کوئی ذکر نہیں۔اس لئے ہم اس بات کے مکلّف نہیں کہ بعد کی کسی وحی پر ایمان رکھیں۔ان کے دعویٰ کی بنیاد صرف اس بات پر ہے کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد نازل ہونے والی وحی کا ذکر نہیں ہے۔اسی دلیل کے ساتھ اگر سورۃ بقرہ ہی کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو دیکھئے کیسا خطرناک نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَاالنَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَO (البقرة۔ 22 :2) اے لوگو! تم عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اوران کو بھی جو تم سے پہلے تھے۔ تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

اس آیت کریمہ میں مخاطبین اوران سے پہلے کے لوگوں کا ذکر ہے ان کے بعد آنے والوں کا ذکر نہیں ہے تو کیا ہمارے مخالفین صرف اسی بناء پر کہ اس آیت میں ''وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِكُم'' کے الفاظ نہیں ہیں اپنے بعد کسی کے پیدا ہونے کا صریحًا انکار کر دیں گے یا یہ عقیدہ رکھیں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ کوئی اور تخلیق کرے گا؟ ان کا یہ دعویٰ آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کو مزید ثابت کرتا ہے کہ آخری زمانہ کے مسلمان یہود ونصاریٰ کے بالکل مشابہ ہو جائیں گے۔ سورہ بقرہ ہی کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کا یہی دعویٰ بیان فرمایا ہے کہ ہم صرف اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے اوراس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اس کا انکار کر دیتے ہیں۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ق وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ط قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَO (البقرة۔ 92 :2)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لے آؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے جو ہم پر اتارا گیا جبکہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں جو اس کے علاوہ (اتارا گیا) ہے حالانکہ وہ حق ہے جو اس کی تصدیق کر رہا ہے جو ان کے پاس ہے۔ تو کہہ دے اگر تم واقعی مومن ہو تو اس سے قبل اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کیا کرتے تھے؟

آج بھی لوگوں کا یہی دعویٰ ہے کہ ہم صرف قرآن اوراس سے پہلے نازل ہونے والی وحیوں پر ایمان رکھتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام اور طرز معاشرت اپنا کر اسلامی تعلیم کو بالکل فراموش کر بیٹھے ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیت (5:2) میں ''مِنْ بَعْدِكَ'' نہ ہونے کی بناء پر آنحضرت ﷺ کے امّتی نبی کا انکار کرنے والے یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ سورہ صف کی آیت (61:7) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد آنحضرت ﷺ کے بطور احمد آنے کی بشارت دی ہے لیکن اس آیت میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ان کے ظہور کے بعد میں دوبارہ آؤنگا۔ اس بناء پر اگر وہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی وحی کے نزول کا انکار کرتے ہیں تو سورہ صف کی اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا ذکر نہ ہونے کی بناء پر ان کی آمد ثانی کا انکار کیوں نہیں کرتے؟

اپنے درمیان نبی آنے پر تعجب کرتے ہیں

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَباً اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِالنَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ O (یونس۔ 3 :10)

کیا لوگوں کیلئے تعجب انگیز ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کی طرف وحی نازل کی (اس حکم کے ساتھ) کہ لوگوں کو ڈرا اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں خوشخبری دے کہ ان کا قدم ان کے رب کے نزدیک سچائی پر ہے۔ کافروں نے کہا یقیناً یہ تو ایک کھلا کھلا جادوگر ہے۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ O (الاعراف ۔ 64 :7)

کیا تم نے اس بات پر تعجب کیا ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ذکر آیا ہے جو تم ہی میں سے ایک مرد پر اترا ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو اور تاکہ شاید تم پر رحم کیا جائے۔

ان دونوں ہم مضمون آیات میں منکرین کا یہ ردِّعمل بیان کیا گیا ہے کہ وہ ایسی پستیوں کا شکار ہو چکے ہوتے ہیں کہ اپنے اندر ایک نبی کا برپا ہونا ان کیلئے سخت قابل تعجب بات ہوتی ہے۔ وہ اس بات سے مایوس ہو چکے ہوتے ہیں کہ ان کو بشارت دینے اور ان کی حالت سنوارنے کیلئے خدا کسی کو بھیج سکتا ہے۔ اس زمانے میں بھی دیگر اعتراضات کے ساتھ ساتھ منکرین احمدیت نے یہ استعجاب بھی ظاہر کیا کہ ہندوستان میں نبی کیسے آ سکتا ہے۔ یہ نعمت تو عربوں کے ساتھ اور وہ بھی اولاد ابراہیم کے ساتھ مخصوص ہو چکی ہے۔ ان کے نزدیک یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ اس روحانی اور اخلاقی طور پر پسماندہ قوم میں کوئی بڑا آدمی پیدا ہو جائے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ اس قدر گر چکے ہیں کہ ہم میں اعلیٰ روحانی مقام رکھنے والا کوئی شخص پیدا نہیں ہو سکتا جو ہمارے ان مصائب اور ذلّت و محکومی سے ہمیں نجات دے اس لئے اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہمارے نجات دہندہ ہو سکتے ہیں جو ہم میں سے نہیں ہیں اور ماضی بعید کے ان لوگوں میں سے ہیں جن میں سے اللہ تعالیٰ انبیاء کا انتخاب کیا کرتا تھا۔ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ روحانی طور پر خود کو ماضی کی اقوام کے مقابلے میں نہایت کم تر سمجھتے ہوئے اور اپنی بداعمالیوں اور بدعقیدوں سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی وہ ان بدحرکات و بدخیالات کو ترک کرنے پر اور اپنی مدد آپ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ہر دور کے مخالفین اور منکرین انبیاءؑ کا یہ عقیدہ رکھنا ثابت کرتا ہے کہ یہ صرف انکار کا بہانہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو نبی بھیجتا ہی اس وقت ہے جب قوم پوری طرح بگڑ چکی ہو۔ مریض چاہے کتنا ہی لاعلاج کیوں نہ ہو چکا ہو، معالج کو دیکھ کر ایک بار تو اس میں جی اٹھنے اور صحت یاب ہونے کی آرزو اور امکان جاگ اٹھتا ہے۔

الٰہی نور کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ o (الصف۔ 9 :61)

وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھادیں حالانکہ اللہ ہر حال میں اپنا نور پورا کرنے والا ہے خواہ کافر ناپسند کریں۔

اس آیت میں منکرین کا ایک اور ردعمل یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اس الٰہی مشن کو اپنی کوششوں کے ذریعے ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہیں اس سعی نامسعود میں کامیابی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ اپنے کام کو مکمل کر کے ہی چھوڑتا ہے چاہے مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔ جماعت احمدیہ کے مخالفین پر اس آیت کریمہ کا خاص طور پر اطلاق ہوتا ہے کیونکہ اس میں مونہوں کے ذریعے یعنی جھوٹے زبانی پروپیگنڈے کے ذریعے مخالفانہ کوششوں کا ذکر ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں آپؐ کے مخالفین جسمانی تشدّد اور جنگوں کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوششیں کرتے تھے۔ جبکہ آپؐ کے غلامِ صادق کے مخالفین نے اپنا پورا زور لگایا کہ جھوٹے پراپیگنڈے کے ذریعے اس الٰہی سلسلے کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ اس کیلئے انہیں علمی، سیاسی، اقتصادی اور حکومتی محاذ کھولنے پڑے، یعنی انہوں نے کتاب وسنت سے جماعت احمدیہ کے خلاف دلائل ڈھونڈھنے چاہے لیکن انہیں اس کے برعکس وہاں سے جماعت کی تائید میں گواہیاں نظر آئیں، عوام کے جذبات برانگیختہ کئے اور زمین میں فساد برپا کیا لیکن اس کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا، احمدیوں کے گھربار جلائے گئے، بائیکاٹ کئے گئے، شہید کیا گیا اور پھر حکومتوں کو ملوث کر کے قانونی طور پر غیر مسلم قرار دلوایا گیا اور تحریر و تقریر اور تبلیغ پر پابندی لگائی گئی۔ گویا

’’ سنگ و خشت مقید ہیں اور سگ آزاد ‘‘

پھر اس کے بعد یہ کوششیں عالمی سطح پر شروع کر دی گئیں اور یہ اعلانات کئے گئے کہ

’’پوری دنیا میں قادیانیت کا تعاقب کیا جائیگا‘‘

یہ گویا اس بات کا اعتراف تھا کہ جماعتِ احمدیہ پوری دنیا میں پھیل رہی ہے۔ انبیاء اور ان کی جماعتیں بھی اللہ کی آیات یعنی اس کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں ہوتی ہیں اور اللہ کی آیات کو عاجز کرنے کے لیے زمین میں دوڑنے پھرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عذاب کی خبر دیتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُوْلٰٓئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَO (سبا ۔ 39 :34)

اور وہ لوگ جو ہماری آیات کو عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دوڑتے پھرتے ہیں۔ یہی لوگ عذاب میں حاضر کئے جانے والے ہیں

جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی کا ناکام بنانے کی غرض سے نام نہاد عالمی مجلس تحفّظِ ختمِ نبوّت بنائی گئی اور سادہ لوح مسلمانوں سے ختمِ نبوّت کے نام پر چندے بٹور کر یورپ اور امریکہ کی سیریں کی گئیں۔ ثبوت کے طور پر ملاحظہ فرمائیں روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہونے والی یہ خبر:

(پرواز چودھری نمائندہ نوائے وقت)۔۔۔۔۔قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوانے والی مذہبی قوت خود فرقہ وارانہ انتشار کا شکار ہے۔ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر کام کرنے والے علماءکرام بیرون ممالک دوروں اور کانفرنسوں میں مصروف ہیں۔۔۔ہمارے علماء نے دنیاہ و جاہ وحشمت کیلئے مسئلہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے اب ڈیڑھ اینٹ کی تنظیمیں استوار کرلی ہیں اور قادیانیوں کے تعاقب میں لندن امریکہ اور ہانگ کانگ کے دورے کرنے کا ڈھونگ رچا رکھا ہے مگر اندرون پاکستان بالخصوص ربوہ اور گردونواح کے دیہاتوں میں دورہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔(روزنامہ نوائے وقت ، لاهور ۔ 27جنوری، 1996ء)

ملک چھوڑدو یا عقیدہ چھوڑ دو

وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ O (ابراہیم ۔ 14 :14)

اوران لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم ضرور تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے یا تم لازماً ہماری ملت میں واپس آجاؤ گے۔ تب ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی کہ یقیناً ہم ظالموں کو ہلاک کردیں گے۔

اس آیت کریمہ میں منکرین کا ایک ردعمل یہ بتایا گیا ہے کہ وہ نبی اوراس کے ماننے والوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم اس ملک میں اسی صورت میں رہ سکتے ہو اگر تم ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ۔ بصورت دیگر ہم تمہیں اس ملک سے نکال دیں گے۔ پاکستانی علماء نے بھی اپنے پیشرو مکفرین کی سنت پوری کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کے سامنے یہ مطالبہ رکھا کہ یا تو ملک چھوڑ دو یا اپنا عقیدہ ترک کرکے ہمارے ساتھ شامل ہوجاؤ۔ ان علماء نے خود کو صرف اس مطالبہ تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ جماعت احمدیہ کو عملی طور پر نیست و نابود کرنے یا پھر ملک سے نکالنے کی مذموم کوششیں بھی شروع کردیں۔ چنانچہ جب وہ دینی اور شرعی طور پر جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اور کافر

ثابت کرنے میں ناکام ہوگئے تو انہوں نے 1974ء میں جماعت احمدیہ کوایک آئینی ترمیم کے ذریعے پاکستان کے آئین کی رو سے غیر مسلم قرار دلوا دیا۔اس پربھی جب ان کا اصل مقصود پورا نہ ہوا اور خلافت ثالثہ اور اُس کے بعد خلافت رابعہ نے اپنے الٰہی رنگ دکھانے شروع کئے تو انہیں بڑی فکر دامنگیر ہوئی اور انہوں نے وقت کے آمر کے ذریعے 1984ء میں ایک بدنام زمانہ آرڈیننس جاری کروا کر جماعت احمدیہ کے افراد کے بنیادی حقوق سلب کر لئے اور انہیں ان کے مذہب پر کھلم کھلا عملدرآمد سے روک دیا۔ان حالات میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اور ہزاروں پاکستانی احمدیوں کے پاس ہجرت کے سوا دوسری کوئی راہ نہ بچی تھی۔جیسا کہ سنّت اللہ ہے کہ انبیاء اوران کے پیروکاروں کی دین کی خاطر ہجرتوں میں بہت برکت اور وسعت ہوا کرتی ہے،اس ہجرت کے نتیجے میں بھی اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کوعظیم الشان برکتیں اور وسعتیں عطا فرمائیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرۃ۔ 116 ,115 :2)

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے منع کیا کہ اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام بلند کیا جائے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کی۔(حالانکہ) ان کے لئے اس کے سوا کچھ جائز نہ تھا کہ وہ ان (مسجدوں) میں ڈرتے ہوئے داخل ہوتے۔ان کے لئے دنیا میں ذلت اور آخرت میں بہت بڑا عذاب (مقدر) ہے۔اوراللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی۔پس جس طرف بھی تم منہ پھیرو وہیں خدا کا جلوہ پاؤ گے۔یقیناً اللہ بہت وسعتیں عطا کرنے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔

جس شخص واحد کا آیت۔115 کے شروع میں ''اظلم''،یعنی سب سے بڑا ظالم کہہ کر ذکر کیا گیا ہے وہ اس دور کا بدنام آمر تھا جس نے احمدیہ مساجد سے اذان دینے پر پابندی لگادی اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کی۔پھر اس کے بعد ایسے لوگوں یعنی پولیس اہلکاروں کا ذکر ہے جنہیں مسجدوں میں ڈرتے ہوئے داخل ہونا چاہئے تھا مگر وہ تمام اخلاقی اور دینی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے جوتوں سمیت بعض احمدیہ مساجد میں داخل ہوئے اوران کے تقدس کو پامال کیا۔اس گروہ اوراس کے سربراہ کی بداعمالیوں کی دنیا اور آخرت میں سزا کا بھی اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کریمہ میں ذکر فرمادیا۔چنانچہ 1988ء میں اس آمر کی اسی دنیا میں عبرتناک سزا کوتو ہم نے مشاہدہ کرلیا اوراب ملک میں پے درپے ٹوٹنے والی مصیبتیں بھی ہمارے سامنے ہیں۔لیکن دوسری طرف جب ان گری ہوئی حرکات کے نتیجے میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ مشرق سے مغرب میں منتقل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا اور آیت۔116 میں مذکور'' اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْم '' کی صفات کے ماتحت جماعت کوایم ٹی اے جیسا عظیم الشان تبلیغی ذریعہ عطا فرما کر بے حساب وسعت عطا فرمائی۔**فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک**

نبی اور اس کی جماعت کو بیرونی طاقتوں کا ایجنٹ کہتے ہیں

سورہ فرقان کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں سچے انبیاء کا ایک معیار یہ بتایا گیا ہے کہ ان پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ایک دوسری قوم اس کام میں ہمارے خلاف تمہاری مدد کر رہی ہے اور یہ دعویٰ کر کے تم خدا کا نہیں بلکہ اس قوم کا مشن پورا کر رہے ہو۔

وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْکُ ۨافْتَرٰهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۚ وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُکْرَةً وَّ اَصِیْلًا o

(الفرقان ۔ (25: 5,6)

اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ یہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں جو اس نے گھڑ لیا ہے اور اس بارہ میں اس کی دوسرے لوگوں نے مدد کی ہے۔ پس یقیناً وہ سراسر جھوٹ اور ظلم بنا لائے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھوالی ہیں پس یہ صبح شام اس پر پڑھی جاتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ پر بھی یہی الزام لگایا گیا۔ کبھی کہا گیا کہ رحمٰن یمامہ کا ایک شخص ہے جو آنحضرت ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے اور کبھی یہ الزام لگایا گیا کہ ایک عیسائی غلام جبیر آپؐ کو یہ ساری باتیں بتاتا ہے۔ آپؐ کے غلام اور روحانی فرزند سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسی الزام کا نشانہ بنایا گیا کہ آپؑ نعوذ باللہ انگریز کا خود کاشتہ پودا ہیں اور آپؑ کا مشن دراصل ہندوستان میں انگریزی حکومت کا استحکام ہے۔

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىکَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُکَ لَرَجَمْنٰکَ ۫ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ o قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْۤ اَعَزُّ عَلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَکُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ o

(ھود ۔ 93 ,92 :11)

انہوں نے کہا اے شعیب! تو جو کہتا ہے اس میں سے بہت سا ہم سمجھ نہیں سکتے جبکہ تجھے ہم اپنے درمیان بہت کمزور سا دیکھتے ہیں۔ اور اگر تیرا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم ضرور تجھے سنگسار کر دیتے اور تو ہمارے مقابل پر کوئی غلبہ نہیں رکھتا۔ اس نے کہا اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ طاقتور ہے اور اسے تو تم نے اپنے پیچھے ایک ناقابل اعتناء چیز بنا رکھا ہے۔ یقیناً میرا رب جو تم کرتے ہو اسے گھیرے ہوئے ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے ماموروں کے مقابلہ میں جب ان کے مخالفین عاجز آجاتے ہیں اور ان کی کوئی پیش نہیں چلتی تو وہ کھسیانے ہوکر یہ کہنے لگتے ہیں کہ تم خود تو ایک کمزور انسان ہو اور ہمارے درمیان بظاہر تمہاری کوئی حیثیت نہیں لیکن تمہاری پشت پناہی کرنے والے لوگ یعنی ایک بیرونی قوم جس کے تم ایجنٹ ہو، اتنی طاقتور ہے کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر یہ قوم نہ ہوتی تو ہم تمہیں مزا چکھا دیتے۔ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب انگریزی حکومت کی پناہ میں نہ ہوتے اور انہوں نے کسی عرب ملک یا افغانستان وغیرہ میں دعویٰ کیا ہوتا تو ہم انہیں مزا چکھا دیتے۔ اس پر نبی کا جواب یہ ہوا کرتا ہے کہ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں خدا کا نام لیکر جھوٹی باتیں کررہا ہوں اور خدا نے جھوٹے کو ہلاک کرنے کا محکم اعلان بھی کررکھا ہے تو کیا تمہاری طرح خدا بھی میری پشت پناہی کرنے والی قوم کے مقابلہ میں عاجز ہو چکا ہے اور مجھ جیسے جھوٹے کو ہلاک کرنے پر قادر نہیں رہا، **نعوذ باللہ من ذٰلک۔** آج برطانوی راج کو ختم ہوئے ایک عرصہ گزر چکا ہے اور غیر احمدی مسلمانوں کے پاس وسائل، سیاسی طاقت اور دولت کی بھی کمی نہیں لیکن آج بھی بحمد اللہ جماعت احمدیہ ہی ہر میدان میں کامیاب و کامران ہے اور اس کے مخالفین کا ہر داؤ ناکام و نامراد ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ کہا ہے:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
(البقرة ۔ 250 :2)

کتنی ہی کم تعداد جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے کثیر التعداد جماعتوں پر غالب آ گئیں۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالفین قرآن میں بیان فرمودہ ان باتوں کو عملی طور پر قصہء پارینہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء اور ان کی قوموں کی یہ نصیحت آموز باتیں صرف قصے کہانیوں کیلئے بیان کی گئی ہیں ورنہ عملی طور پر ہمارے لئے اس میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ اب کسی نبی نے تو آنا نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قیامت تک واجب العمل اس کتاب میں یہ باتیں اسلئے بتائی گئی ہیں کہ ہم ان قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور جب بھی ہمارے پاس کوئی مامور آجائے تو اس کے ساتھ ویسا سلوک نہ کریں جیسا ان گذشتہ انبیاء کی قوموں نے کیا تھا۔ لیکن سنت اللہ بہرحال پوری ہوکر رہتی ہے۔ ابتداء سے ماننے والوں اور انکار کرنے والوں کے دو گروہ چلتے آرہے ہیں۔ چنانچہ ہمارے دور میں بھی ان انکار کرنیوالوں نے اپنے پیشرؤوں کی سنت پوری کرتے ہوئے اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ الزام لگایا کہ آپؑ انگریزوں کے ایجنٹ ہیں اور آپؑ کو ایسی باتیں سکھائی جاتی ہیں جو آپؑ ہمارے درمیان آکر بیان کردیتے ہیں اور یہ کہ اگر آپؑ انگریزوں کے دور میں نہ پیدا ہوئے ہوتے اور وہ آپؑ کی پشت پناہی نہ کررہے ہوتے تو ہم اس جماعت کا بیج ہی اکھاڑ پھینکتے اور اسے کبھی بھی ایک تناور درخت نہ بننے دیتے۔ ہماری طرف سے ان کو وہی جواب دیا جاتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ انگریزوں کے مقابلے میں کمزور ہے کہ ایک جھوٹے مدعی کو ہلاک نہیں کرسکا اور اسے ناکام نہیں بنا سکا۔

کتاب اللہ کو حکم بنانے سے انکار کردیتے ہیں

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ؕ (النساء۔ 62 :4)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو اللہ نے اتارا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو منافقوں کو تو دیکھے گا کہ وہ تجھ سے پرے ہٹ جاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (آلِ عمران۔ 24 :3)

کیا تو نے ان کی طرف نظر نہیں دوڑائی جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا۔ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر بھی ان میں سے ایک فریق پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ علامت کفّار اور منافقین کی بتائی ہے کہ وہ کتاب اللہ کو حکم بنانے سے انکار کرتے ہیں اور اللہ کے نازل کردہ کلام کو پسِ پشت پھینکتے ہوئے اپنی اور اپنے علماء کی من گھڑت باتوں کو معیار بنا کر نبی کی صداقت کو جھٹلانے کی سعی ء نامسعود کرتے ہیں۔ اپنے پیشرووں کی سنّت پر چلتے ہوئے غیر احمدی علماء کا عموماً اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے علماء کا خصوصی طور پر سوچا سمجھا طریق کار ہے کہ جماعت احمدیہ کے افراد کے ساتھ قرآن کریم کی بنیاد پر گفتگو ہرگز نہیں کرنی۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن کریم جماعت احمدیہ کے ساتھ ہے، اس لئے یہ قرآن کریم کی بنیاد پر بات کرنے اور اسے اپنے اختلافات میں حَکَم بنانے سے صاف انکار کردیتے ہیں۔

حرفِ آخر

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ قرآنِ کریم جہاں ایک طرف عقلی اور نقلی دلائل فراہم کرتے ہوئے سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی، مسیح موعود ومہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو ثابت کرتا ہے وہیں ایک شفّاف آئینہ کی طرح ان کے مخالفین ومکذّبین کی صورتیں بھی ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اس قرآنی آئینہ میں جھانک کر ہر کوئی نہایت آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہے: مومنین کے یا مکفّرین کے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس مقدّس کتاب کو کھول کر پڑھا اور سمجھا جائے۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ بانی جماعتِ احمدیہ علیہ السّلام کے دعویٰ جات اور تحریریں تو ان کے اپنے ہاتھ سے نکلتی ہیں لیکن ان کے مخالفین سے وہی باتیں کروانا اور وہی حرکتیں کروانا جو گزشتہ تمام انبیاء علیہم السلام کے مخالفین کرتے چلے آئے ہیں کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ ان سے یہ حرکتیں سرزد ہونا اللہ تعالیٰ کے کلام کی سچائی کا ثبوت ہیں جس نے یہ ثابت کروادیا کہ وہ لوگ حقیقی منکرین کے گروہ میں شامل اور گزشتہ انبیاء علیہم السّلام کے منکرین کے وارثین ہیں اور سیّدنا حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام وہی مسیح موعود اور امام مہدی ہیں جن کی خوشخبری نبی اکرم ﷺ دے چکے ہیں۔

قرآن کریم کے انہی لاجواب اور محکم دلائل سے تنگ آکر ہمارے معاندین نے جہاں ایک طرف حکومتی اور ریاستی طاقت کے ذریعے جماعت احمدیہ کو دبانا چاہا وہاں دوسری طرف عوام النّاس کو یہ دھوکا دے کر ہم سے متنفّر کرنا چاہا کہ یہ تو غیر مسلم ہیں ان کا قرآن مجید سے کیا تعلق۔ لہٰذا احمدیوں سے قرآن وحدیث کی بنیاد پر بحث ومباحثہ یا گفتگو نہیں کرنی بلکہ اپنے خودساختہ دلائل کی بنیاد پر صرف مرزا صاحب کی ذات کو نشانہ بنانا ہے اور ابلاغِ دین دلائل وبراہین سے نہیں بلکہ قتل وغارت سے کرنا ہے۔ چنانچہ مولوی یوسف لدھیانوی صاحب لکھتے ہیں:

> ''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، سچی بات تو یہ ہے کہ ابلاغ دین ''۔۔۔۔فاقتلوہٗ'' سے ہوتا ہے!
> (تحفہ قادیانیت جلد ششم،صفحہ۔442، از محمد یوسف لدھیانوی، طبع اول مارچ 2005ء، ناشر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت۔حضوری باغ روڈ، ملتان)

بہرحال ہماری طرف سے یہی آخری اور فیصلہ کن جواب ہے کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور ہمارے ذمہ تو کھول کھول کر بات پہنچا دینے کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب کی طرف رجوع کرنے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن

وَآخِرُ دَعوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن

’’سلطان القرآن کا مطالعہ کر کے جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء سے بہتر کوئی اور الفاظ ذہن میں نہیں آتے ۔ انصر رضا صاحب نے جس محنت اور خلوص سے صداقت حضرت مسیح موعودؑ کو قرآن مجید کی روشنی میں یکجا کیا گیا ہے اس سے ایک صاف دل کو بہت فائدہ ہوگا۔ اس کتاب میں نا صرف یہ کہ متعلقہ حوالوں کو یکجا کر دیا گیا ہے بلکہ اس سے مستنبط ہونے والے پہلوؤں کو بیان کر کے سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ جماعت احمدیہ پر فرقہ واریت کا جو الزام ہے اس پر بھی عمدہ مدلل محاکمہ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں جس عرقریزی سے انہوں نے قرآن مجید کو پیش کیا ہے اس سے یہ احساس غالب نظر آتا ہے کہ انہوں نے اپنی علمی مسجع کاری کی بجائے کلام الٰہی کو فوقیت دے کر قرآن کی محبت اور اس کے مطالعہ کا چسکا ڈالنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ علم دوست احباب یقیناً اس سے مستفید ہونگے۔ نبوت کے مختلف پہلوؤں کا انہوں نے جس طرح احاطہ کیا ہے اس سے ماشاء اللہ نا صرف اُن کی بالغ نظری ثابت ہوتی ہے بلکہ موضوع پر گرفت بھی متین ہے۔‘‘ مرزا محمد افضل، مربّی سلسلہ اور وائس پرنسپل جامعہ احمدیہ، کینیڈا

انصر رضا کا شمار کینیڈا کے ابھرتے ہوئے، بے دار مغز، روشن خیال مصنفین اور قلم کاروں میں کیا جاتا ہے۔ زیر نظر کتاب سلطان القرآن انصر رضا کی تیسری تصنیف ہے۔ قرطاس و قلم سے ان کا رشتہ کافی عرصے کا ہے۔ ان کے دل کش و شگفتہ قلم سے نکلے ہوئے علمی و مذہبی مضامین پاکستان اور کینیڈا کے مختلف جرائد کے صفحات کی زینت بن چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے جو بین دلائل کتاب میں پیش کئے گئے ہیں وہ اگرچہ جماعت کے لٹریچر میں پہلے سے موجود ہیں لیکن انصر رضا نے انہی دلائل کو اسرنو ترتیب دے کر بڑی چابک دستی اور علمی مہارت سے نئے رنگ میں پیش کیا ہے۔ کتاب کی سادگی، سلاست اور بے ساختگی انسان کو فوراً مرعوب کر لیتی ہے۔ کتاب کی تدوین و تالیف میں کئی ممتاز اصحاب قلم کی مساعی بھی شامل ہیں جس کا اعتراف مؤلف کتاب نے احسن رنگ میں کیا ہے۔ کتاب کے مندرجات کو ایک نظر دیکھنے سے ہی دل چاہتا ہے کہ پوری کتاب کا بالاستعیاب مطالعہ کیا جائے، میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اول و آخر کتاب منطقی دلائل سے لبریز ہے جن کا استنباط لوح محفوظ سے کیا گیا ہے۔ پوری کتاب گوناگوں صفات سے مزین ہے۔ کتاب کی بنیاد بھی بڑے اچھے طریقے سے رکھی گئی ہے یعنی اس میں پانچ اہم سوالوں کے مسکت و مدلل جوابات دئے گئے ہیں۔ امید واثق ہے کہ اس خزینۃ المعارف کو علمی، ادبی و مذہبی حلقوں میں بہ نظر تحسین دیکھا جائیگا اور اس کتاب کو لوگ ہاتھوں ہاتھ خرید کر خود بھی فیض یاب ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس خریطہ علم و ادب سے آگاہ کریں گے۔ یہ کتاب مؤلف کے وسیع و عمیق مطالعہ، زبردست علمی استعداد کا انکشاف اور قرآن کریم سے استفادہ کا ذوق رکھنے والوں کیلئے ایک نادر علمی شاہکار ہے۔ کتابت و طباعت نہایت عمدہ، ٹائٹل بھی معیاری اور جاذب نظر ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی کوشش کو قبول عطا فرمائے اور اس کے افادہ کو عام فرمائے۔ محمد زکریا ورک، بی اے ایل ایل بی، رمضان المبارک ۲ ستمبر ۲۰۰۸ء کنگسٹن کینیڈا

’’عزیزم برادرم انصر رضا نے حقائق کو سامنے رکھ کر بڑے پر اثر انداز میں صرف قرآن کریم سے دلائل لے کر نبوت کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ پانچ بنیادی سوال جو اکثر گفتگو میں پوچھے جاتے ہیں اور بہت اہم ہیں ان کا جواب قرآن مجید کے حوالے سے دیا ہے۔ جناب انصر رضا صاحب نے قرآن کریم سے حوالہ جات دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ وحی اور نبوت کا سلسلہ جاری ہے اور اس سے حضرت رسول کریم ﷺ کی نبوت کو کوئی خطرہ نہیں بلکہ یہ ضروری تھا کہ آنے والا مسیح امّتی نبی ہو۔ اس طرح باقی سوال بھی بڑے اہم ہیں کہ ماڈرن دور میں نبوت کی کیا ضرورت ہے اور کسی بھی مدعی نبوت کی صداقت کے قرآنی معیار کیا ہیں۔ عزیزم انصر رضا صاحب نے ایک بہت اہم تبلیغی ضرورت کو پورا کیا ہے اور صرف قرآن مجید سے دلائل مہیا کئے ہیں۔ خدا کرے اُن کی یہ کاوش پُر اثر ہو اور وہ سعید روحیں جو حق کی تلاش میں ہیں اُن تک یہ دلائل پہنچیں اور وہ امام الوقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آغوش میں امن و سکون کیلئے آ جائیں (آمین)۔‘‘ ڈاکٹر مرزا محی الدین، ایڈمنٹن، کینیڈا۔